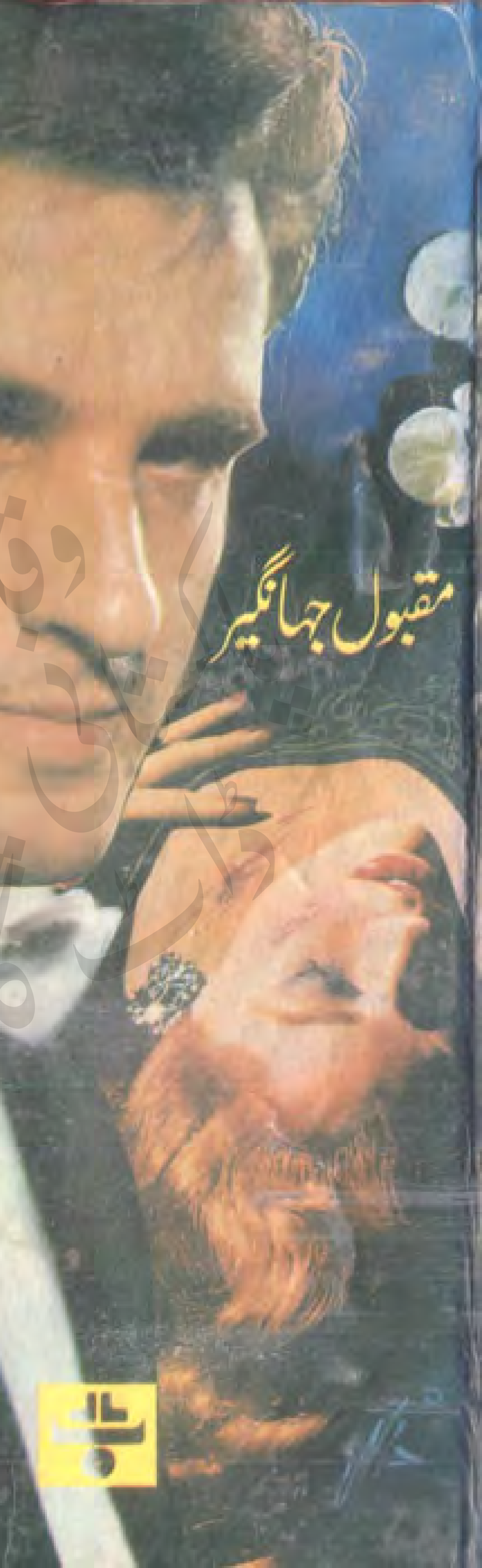

مقبول جہانگیر


فنکار قاتل

۵

اناڑی

کارڈن نے غالیچے کو ایک بار پھر دیکھ
اس کی آنکھوں میں چمک تیز ہوگئی
ہزاروں میل دُور ہندوستان کی اس چھوٹی سی
زندگی کا سب سے بڑا انعام دینے پر آمادہ
وہ بیس برس سے چوری اور نقب زن
اگرچہ کارڈن اپنے فن میں یکتائے روزگار
ضرور تھا۔ بیس برس کے تجربے نے اس
امریکا میں چوری اور نقب زنی میں کسی
شکاگو کے ایک بنک میں نقب لگانے
میں اس کے فوٹو اور حلیہ شائع ہو چکا تھا
سونگھتی پھرتی تھی، تب کارڈن ایک دن
مشرق کی سیاحت میں ایک دو سال گزار
جاتا تو وہ واپس امریکا چلا جاتا اور معمولی
بن کر ٹھاٹھ سے رہنے لگتا۔

وہ دیوار پر ٹنگا ہوا غالیچہ غور سے دیکھ
کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس نے دوسرے
البتہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چ

جا۔

اس نے سوچا میں اپنے وطن سے
دکان میں کھڑا ہوں، میرا مقدّر مجھے
ہ ہے۔

ی کے پیشے کو اپنائے ہوئے تھا اور
نہ تھا، مگر یہ کہنا پڑے گا کہ وہ باکمال
میں اتنا اعتماد پیدا کردیا تھا کہ وہ سارے
کو اپنا ثانی نہ سمجھتا تھا، مگر پچھلے دنوں
قت وہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔ اخبارات
شکاگو پولیس کتّوں کی طرح اس کی بُو

مشرق کے سفر پر نکل پڑا۔ اس کا ارادہ
نے کا تھا۔ اس وقفے میں معاملہ ٹھنڈا ہو
ا حلیہ اور نام تبدیل کرکے پھر معزز شہری

تا رہا جس پر لگا ہوا شیشے کا فریم غالیچے
یاحوں کی طرح کچھ زیادہ حیرت کا اظہار نہ کیا!
یک لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

غالیچہ، جسے ”فخرِ ہندوستان“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا طرح طرح کے ہیروں سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ سیاح حیرت سے غالیچے اور اس پر جڑے ہوئے نایاب اور نادر ہیروں کو دیکھ رہے تھے۔ یکایک دکان کے مالک گنیش لال کی آواز نے سیاحوں کو چونکا دیا۔ وہ نہایت شستہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

”اس غالیچے میں اٹھارہ ہزار ہیرے جڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے کچھ ہندوستان کے نایاب ترین ہیرے ہیں۔ غالیچہ ہماری فرم نے بنایا ہے اور ہیرے بھی ہمارے کاریگروں نے جڑے ہیں۔ اس پر پچاس ہزار گھنٹے کام کیا گیا ہے اور یہ شاہکار گنیش لال اینڈ سنز کی اعلیٰ کاریگری کا ایک نمونہ ہے۔“

”واقعی!“ کارڈن نے سر ہلایا اور پوچھا۔

”اس کی قیمت کیا ہوگی؟“

”دس لاکھ ڈالر میں تو اس کا بیمہ کرایا گیا ہے۔ اور جب عالمی نمائش میں یہ رکھا گیا تو۔ ۔ ۔ ۔“

”اور آپ نے اسے یوں ہی دیوار پر لٹکا رکھا ہے۔ صرف شیشے کے ایک فریم میں؟“ کارڈن نے حیرت سے گنیش لال کی بات کاٹ کر پوچھا۔

”جی ہاں۔“ گنیش لال نے جواب دیا۔ ”یہ غالیچہ سیاحوں کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے، مگر یہ بالکل محفوظ ہے جناب، چوری سے بچنے کے لیے ایک مضبوط امریکن الارم اس میں لگا ہوا ہے اور اس طرح یہ ہمیشہ محفوظ ہے۔“

کارڈن یہ بات پہلے ہی جانتا تھا۔ وہ فریم کے کونوں سے گزرتے ہوئے سنہری تار کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ غالیچے کے مالک کی زبان سے اتنی جلدی اس کا اقرار کروا کر وہ خوش ہوا اور سر کو ہلکی سی جنبش دے کر اس نے وہ جگہ بھی دیکھ لی جہاں سے تار اندر آ رہے تھے۔

اب غالیچے کے سامنے اس کے ساتھ کئی اور سیاح آن کھڑے ہوئے اور آنکھیں

پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے غالیچے کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ گنیش لال ان سوالات کا جواب دینے لگا۔ کارڈن اپنی جیکٹ کی جیب میں سگریٹ تلاش کرتا ہوا بے پروائی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اب وہ غالیچے سے پانچ گز دور مہاتما بدھ کی مورتی کے پاس کھڑا تھا۔ اچانک اس کی انگلیوں میں دبا ہوا سگریٹ زمین پر گر پڑا۔ وہ سگریٹ اٹھانے کے لیے جھکا اور نہایت چابک دستی اور مہارت سے ایک چھوٹا سا آلہ جیب سے نکال کر الارم کے تار کاٹ ڈالے۔ چند ثانیوں کے اندر اندر وہ اس کام سے فارغ ہو کر اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

اس کارنامے کی ابتدا پچھلی سہ پہر لارینز ہوٹل کے برآمدے میں ہوئی۔ وہ بمبئی سے تیس دوسرے امریکی سیاحوں کے ساتھ ہوائی جہاز کے ذریعے آگرہ پہنچا تھا۔ اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں نام درج کرا کر کمرہ لیا اور سامان رکھوا کر کچھ کھانے کی نیت سے برآمدے میں آ کھڑا ہوا۔ یہاں آتے ہی اس کی چھٹی حس نے اسے بتا دیا کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، لیکن برآمدے میں سوائے چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے والوں اور اس کے ساتھی سیاحوں کے، جن میں عورتوں کی اکثریت تھی، کوئی نہ تھا۔ ہر شخص مصروف تھا اور کوئی شخص ایسا دکھائی نہ دیا جو کارڈن میں دلچسپی لے رہا ہو۔ اس نے یکایک سیڑھیوں کے نیچے کھڑے ہوئے ایک لمبے چوڑے مضبوط، ہٹے کٹے ہندو کو دیکھا جو اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہندو نے کارڈن کو اپنی طرف متوجہ پا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور اس کے پاس آ کھڑا ہوا، سفید دھوتی اور سفید کرتے میں وہ جاذب نظر لگ رہا تھا، لیکن اس کے لباس اور شکل و شباہت سے زیادہ کارڈن کو یہ بات کھٹک رہی تھی کہ یہ ہندو ایک اجنبی اور نووارد امریکن سیاح میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے جو صرف تاج محل دیکھنے یہاں آیا تھا۔

ہندو نے کارڈن کے قریب پہنچ کر مؤدبانہ لہجے میں کہا:

"مسٹر کارڈن۔"

کارڈن چونک گیا۔ یہ شخص تو اس کا نام بھی جانتا ہے، مگر کیسے؟ ممکن ہے اس نے کارڈن کو اپنا نام درج کراتے ہوئے دیکھا ہو اور اس کا نام رجسٹر سے پڑھ لیا ہو۔

"ہاں، کیا بات ہے؟" کارڈن نے بے زاری سے پوچھا۔

"جناب، میرا نام داس ہے۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں مقامی گائیڈ ہوں اور میرے پاس اعلیٰ امریکن کار بھی ہے۔ میں آپ کو تاج محل اور دوسرے مقامات کی سیر کرا سکتا ہوں۔"

کارڈن کو داس کی گہری اور سیاہ آنکھیں کچھ اور بھی کہتی ہوئی محسوس ہوئیں، مگر اس نے سرد لہجے میں جواب دیا:

"شکریہ! مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں۔"

"میں پیشہ ور گائیڈ نہیں ہوں جناب۔" داس نے نہایت ادب سے جھکتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو سیر بھی زیادہ تسلی بخش کروا سکتا ہوں۔"

"نہیں بھئی شکریہ، ہمارے پاس گائیڈ بھی ہے اور ہم سب لوگ بس میں جائیں گے! لہٰذا تمہارا ایک بار پھر شکریہ۔" کارڈن نے اپنی طرف سے بات ختم کر کے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"میں ہمیشہ آپ کے کام کا معترف رہا ہوں۔" داس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا؟" کارڈن حیرت سے اچھل پڑا، مگر فوراً ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور کہنے لگا:

"اگر تمہارے پاس کوئی اہم بات کرنے کے لیے ہے تو کھانے کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔ اب میری جان چھوڑ دو۔"

"بہتر جناب" داس نے ادب سے کہا اور اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "کھانے کے بعد"۔ اس نے زیرِ لب دُہرایا اور نپے تُلے قدم اٹھاتا ایک طرف چلا گیا۔

کیا وہ میرے کمرے کا نمبر جانتا ہے؛ اگر جانتا ہے تو کیسے؛ اگر نہیں جانتا تو اس نے پوچھا کیوں نہیں؛ اس قسم کے سوالات کارڈن کو پریشان کر رہے تھے۔ بہرحال اس نے سگریٹ جلا کر سوچا، میں آگرے کی سیر سے زیادہ لطف اندوز ہوں گا۔

ہال میں کھانا کھا کر وہ جلدی سے اٹھا اور کمرے کی طرف چل دیا۔ برآمدے کی مدّہم روشنی میں بیرونی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے سگریٹ سلگایا اور کمرہ کھول کر اندر داخل ہوا ہی تھا کہ دروازے کے ساتھ ہی لمبے تڑنگے آدمی کا ہیولا نظر آیا۔ اس نے گھبرا کر بتی جلائی اور دیکھا کہ دروازے میں داس کھڑا مسکرا رہا ہے اور اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔

کارڈن نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا:

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"جناب میرا ایک کالج کا دوست گزشتہ ہفتے بمبئی میں آپ کا گائیڈ تھا۔ انہی نے مجھے آپ کے بارے میں ٹیلی فون کیا تھا" داس نے ادب سے جواب دیا۔

کارڈن کالج کا نام سنتے ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گیا، کیونکہ وہ خود کبھی آٹھویں درجے سے آگے نہیں بڑھا۔ تو کیا یہ شخص کسی کالج میں پڑھ چکا ہے؟ اس نے دل میں کہا، لیکن فوراً ہی یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ میں زیادہ لکھا پڑھا نہیں تو کیا ہوا! اپنے فن میں تو کامل ہوں، تاہم وہ فکرمند تھا کہ داس کے دوست نے میری اطلاع یہاں کیوں دی؛ اس نے آخر داس سے پوچھ ہی لیا

"میرے یہاں آنے کی اطلاع دینے سے تمہارے دوست کا اصل مقصد

کیا تھا ؟"

"جناب، اس کا خیال ہے کہ آپ ہمارے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کچھ مدد کر سکیں گے۔"

"کیا مطلب"؟ کارڈن کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"مطلب یہ کہ اس نے آپ کو پہچان لیا ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے ؟"

"چند برس قبل وہ امریکہ میں حصولِ تعلیم کے لیے مقیم تھا کہ اس نے اخباروں میں آپ کی تصویریں دیکھی تھیں۔"

"میری تصویریں ؟" کارڈن نے مصنوعی حیرت سے کہا، "اسے ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں جناب" داس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا، "جب آپ شکاگو کے ایک بینک میں ڈاکہ ڈالنے کے مقدمے میں ملوّث تھے اور پولیس تگ و دَو کے باوجود کچھ ثابت نہ کر سکی تھی تو میرا دوست اُن دنوں وہیں تھا۔ اس نے مقدمے کی تمام کارروائی پڑھی تھی اور وہ اسی دن سے آپ کی عظمت کا معترف ہو گیا تھا۔ ہر آدمی آپ کو مجرم سمجھ رہا تھا، لیکن حد ہے کہ آپ کے خلاف کچھ بھی ثابت نہ ہو سکا۔"

"ہاں" کارڈن اکڑ کر کہنے لگا۔ "میں احمق نہیں ہوں، ہر چند کہ میں کالج میں کبھی نہیں پڑھا۔"

"جی ہاں، آپ بہت صاحبِ فن اور باکمال چور ہیں۔ اسی لیے میرے دوست نے ٹیلی فون پر مجھے آپ کے آنے کی خبر دی تھی۔"

"لیکن میں نے ہندوستان میں تو کچھ نہیں کیا" کارڈن نے اپنی صفائی پیش کی۔

"جبھی تو میں آپ کو کمائی کا ایک نادر موقع مہیا کر رہا ہوں۔"

کارڈن نے سگریٹ سلگایا۔ دو تین کش لیے اور مطمئن سے کہا:

"بیٹھ جاؤ۔"

اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس شخص سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہے۔ یہ لوگ اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ بہرحال اب ان کو مرعوب کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا، مگر کیا کیا جائے۔

"تمہارے ذہن میں کوئی اسکیم ہے؟" اس نے داس سے پوچھا۔

داس جلدی سے کہنے لگا:۔

"فخرِ ہندوستان" جناب، اس وقت یہ آگرے میں ہے اور آپ جیسے کسی شخص کا اس تک پہنچنا مشکل کام نہیں۔"

"فخرِ ہندوستان کیا؟" کارڈن نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک غالیچہ جناب، جس کا سائز ۶ × ۴ فیٹ ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو؟" کارڈن نے غصّے سے داس کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آخر ایسی سستی شے کے لیے اتنا خطرہ کون مول لے؟"

"جناب اس غالیچے میں لاکھوں ڈالر مالیت کے ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔" داس نے آہستہ سے کہا اور حیرت سے کارڈن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہیرے؟" وہ چلّایا، "غالیچے میں؟"

"جی ہاں۔" داس نے سکون سے جواب دیا۔

"لیکن ہم قالین کو چرا کر شہر سے باہر کیسے لے جا سکتے ہیں؟" کارڈن نے پوچھا۔

"قالین لے جانے کی ضرورت نہیں، ہم اس میں سے ہیرے اکھاڑ لیں گے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" کارڈن نے کہا۔

"آپ ہیروں کو اپنے سامان کے ساتھ ہندوستان سے سمگل کر لیں۔ امریکا میں کئی جوہری آپ کے واقف ہوں گے جو ہیرے آپ سے خرید سکیں گے۔"

"ہاں۔" کارڈن کی آواز میں اشتیاق تھا۔ "لیکن ان ہیروں کی اصل مالیت کیا ہوگی؟"

"بارہ لاکھ ڈالر مارکیٹ میں یقیناً مل جائیں گے۔ اگر ہم ہیروں کو اکھاڑ کر کوڑیوں کے مول بھی بیچیں تب بھی اتنی دولت ہمیں مل جائے گی کہ زندگی بھر عیش کرتے رہیں گے۔" داس نے کارڈن کو تفصیل سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تین حصوں میں تقسیم کرکے بھی کافی رقم بنے گی"؟

کارڈن نے پوچھا۔

"حصے تین نہیں، دو ہوں گے جناب، آدھا آپ کا اور آدھا میرا اور میرے بمبئی والے دوست کا۔ آخر بہت سا کام تو آپ ہی کریں گے۔" داس نے جلدی سے کہا۔

"یہ درست ہے۔"

"یہ غالیچہ گنیش لال اینڈ سنز کی دکان میں شیشے کے ایک فریم کے نیچے ٹنگا ہوا ہے۔ دکان مہاتما گاندھی روڈ پر ہے اور آگرے میں آنے والا تقریباً ہر سیاح اسے دیکھنے ضرور جاتا ہے۔"

"لیکن یہ کام کتنا مشکل ہوگا؟" کارڈن نے پوچھا۔

"آپ جیسے آدمی کے لیے آسان ہے۔ نہ وہاں کوئی پہرے دار ہوتا ہے نہ کوئی چوکیدار۔ تالے آپ جیسے آدمی کے لیے معمولی چیز ہیں، البتہ ایک بات ہے کہ اس میں امریکن الارم لگا ہے۔ اس لیے ہمیں آپ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ کو الارم ناکارہ کرنے کا تو کافی تجربہ ہوگا؟"

"ہاں کافی ـــــ تالے توڑنا بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ امریکن الارم تو کچھ چیز ہی نہیں۔" کارڈن نے فخر سے کہا۔ "لیکن پہلے اسے ایک بار دیکھ لینا ضروری ہے۔"

ضرور دیکھیے جناب، کل آپ کے ساتھ والے سبھی سیاح غالیچہ دیکھنے جائیں گے آپ سارے نظام کا بغور مطالعہ کریں۔ میں آپ کو بطور ڈرائیور اور گائڈ کی حیثیت

میں اس وقت وہاں سے چلوں گا جب خاصی بھیڑ ہو، آپ کسی شک و شبہے کے بغیر تالوں اور الارم کو دیکھ سکتے ہیں اور پھر اُسی رات یہ کام ہو سکتا ہے۔

"شاباش۔" کارڈن نے خوش ہو کر کہا۔ "آج سے تم میرے گائڈ اور ڈرائیور ہو۔"

"جناب، میں آپ کو شکایت کا موقع نہ دوں گا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ میں جواہرات امریکا لے جاؤں گا، وہاں انہیں بیچوں گا، پھر تمہیں تمہارا حصّہ بھیج دوں گا۔ کیا تم اس پر رضامند ہو؟"

"جی ہاں، میں رضامند ہوں۔" داس نے کہا۔

"اگر میں سب رقم ہضم کر جاؤں اور تمہیں ٹرخا دوں پھر؟"

"کیا چوروں میں اخلاق کا ایک ضابطہ نہیں ہوتا جناب؟"

داس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"بے شک ہوتا ہے۔" کارڈن نے تسلیم کیا۔ وہ داس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا تھا۔ "داس، آخر بات کیا ہے۔ تم دونوں ایم اے پاس ہو۔ اتنا پڑھ لکھ کے بھی ایسے کام کرتے ہو۔؟"

"ہندوستان میں اچھی نوکریاں کہاں ہیں جناب، پھر یہ گائڈ کا کام جو ہم کر رہے ہیں، ہمیں کیا دیتا ہے؟ کسی سیاح نے خوش ہو کر کبھی کچھ دے دیا تو لے لیا، ورنہ یوں ہی پھرتے رہے۔ پھر ہم کیوں نہ اپنی تعلیم اور اپنی ذہانت سے فائدہ اٹھائیں۔ ہماری آمدنی کا بڑا ذریعہ امریکن سیاح ہیں اور معاف کیجئے آپ لوگ اتنے سخی بھی نہیں۔ ہمیں عزت چاہیے اور وہ ہمیں صرف پیسے سے مل سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" کارڈن نے کہا، "لو سگریٹ پیو اور مجھے الارم کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

اگلے روز سہ پہر کو اس پروگرام کے تحت کارڈن گنیش لال اینڈ سنز کی دُکان پر دوسرے سیاحوں کے ساتھ غالیچے کے سامنے کھڑا تھا۔ باہر نکلنے سے پیشتر اس نے الارم کو بالکل بے اثر کر دیا اور جب وہ داس کی کار میں بیٹھا تو دل میں بے حد خوش تھا۔ داس کی آنکھوں میں سوالیہ نشان دیکھ کر کارڈن کہنے لگا۔

"داس، یہ ایک منٹ کا کام تھا۔ ہم آج ہی رات انتہائی آسانی سے غالیچہ نکالیں گے۔"

داس نے کار گیئر میں ڈال دی اور گائڈ کے سے لہجے میں کہا:

"اب ہم اکبر اعظم کا مقبرہ دیکھیں گے، پھر چپکے سے پوچھنے لگا۔ "آپ کو غالیچہ پسند آیا؟"

"بہت پسند آیا۔"

"غالیچے کو دُکان سے نکال کر لانے میں آپ کو کتنی دیر لگے گی؟"

"دو منٹ دُکان کے اندر داخل ہونے کے، دو منٹ غالیچے کو فریم سے نکالنے کے اور ایک منٹ واپسی کا۔ کُل پانچ منٹ ــــ بہت سا کام تو مَیں کر چکا ہوں۔"

"میرا بمبئی والا دوست درست کہتا تھا۔" داس نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔ "آپ واقعی اُستاد ہیں۔ میں آپ کا بے حد احترام کرنے لگا ہوں مسٹر کارڈن۔"

"اناڑی لوگوں کے ساتھ کام کرنا فضول ہے، بلکہ اکثر نقصان ہی ہوتا ہے۔" کارڈن نے داس کی تعریف نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"پانچ منٹ۔" داس نے دُہرایا، "تب ہم یہ کام آج رات تاج محل جاتے ہوئے کر سکتے ہیں۔ آپ کے سارے ساتھی بس میں جائیں گے۔ آج چودھویں کا چاند ہے، لہٰذا رومانی سیاح جوق در جوق وہاں جا رہے ہوں گے۔ ہم بس کو یہاں سے روانہ کر کے چلیں گے اور پانچ منٹ راستے میں ٹھہرنے کے بعد مالِ غنیمت لے کر ان کے ساتھ ہی تاج محل پہنچ جائیں گے۔ اس طرح کوئی ہم پر شک بھی نہ کرے گا اور ہم وہاں اطمینان سے ہیرے الگ کر سکیں گے۔"

"تاج محل میں؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو داس! تاج محل میں اتنے لوگ ہوں گے کہ وہاں ہم یہ کام نہ کر سکیں گے۔"

"مسٹر کارٹن، آپ بے فکر رہیں۔ میرے پاس تاج محل کے ایک مینار میں لگے ہوئے قفل کی چابی موجود ہے جو میں نے عرصۂ دراز سے اسی وقت کے لیے رکھی ہوئی ہے۔ خودکشی کی وارداتوں کے پیش نظر کئی برسوں سے میناروں پہ لوگوں کا چڑھنا بند ہے۔ شاہ جہان اور ممتاز کی مثالی محبت سے متاثر ہو کر اکثر لوگ میناروں سے کود کر اپنی جانیں ضائع کر دیا کرتے تھے لہٰذا اب یہ مینار عوام پر بالکل بند ہیں۔ ہم بغیر کسی خلل کے بہت آرام کے ساتھ اوپر بیٹھ کر یہ کام کر سکیں گے۔"

"مگر روشنی؟"

"پورے چاند کی روشنی کافی ہوگی۔"

"مگر ہیرے سمگل کرنے کا انتظام کیا ہے؟"

"ہیرے وزن میں کافی ہوں گے جناب۔" داس نے کہا۔ "اور کافی جگہ گھیریں گے اس کام کے لیے میں نے لکڑی کی تین مورتیاں بنائی ہیں جو آپ ہندوستان سے بطور تحفہ ساتھ لے جائیں گے جیسا کہ سیاح عموماً لے جاتے رہتے ہیں۔ یہ مورتیاں کھوکھلی ہیں اور ہم جواہرات روئی میں لپیٹ کر مورتیوں کے اندر رکھ دیں گے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی کسٹم والا اسے پہچان نہ سکے گا۔"

"مورتیاں کہاں ہیں؟"

"آپ کی سیٹ کے ساتھ ایک کپڑا پڑا ہے، اس کے نیچے ہیں۔"

کارٹن نے مورتیاں غور سے دیکھیں۔ وہ بہت خوش ہوا، "بہت خُوب۔" اس کے لبوں سے بے ساختہ نکل گیا۔

"مگر ہم غالیچے کا کیا کریں گے؟" کارٹن نے پُوچھا۔

"ہم اسے مینار ہی پر چھوڑ آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" کارڈن نے اطمینان کا سانس لیا اور سیٹ پہ دراز ہو گیا۔

اُس رات سب کچھ سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق ہوا۔ وہ ہوٹل سے دوسرے سیاحوں کے ساتھ نکلے اور ساڑھے نو بجے تاج محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ کسی کو شبہہ تک نہ ہوا کہ وہ گنیش لال اینڈ سنز کے سامنے پانچ منٹ کے لیے رُکے تھے۔ داس نے کار ایک اندھیری جگہ کھڑی کی اور جب وہ دونوں باہر نکلے تو کسی کو شک تک نہ ہوا کہ داس کے کندھوں پر جو کپڑا پڑا ہے، اس کے نیچے فخرِ ہندوستان جیسی لاجواب چیز چھپی ہوئی ہے۔ ایسے کپڑے اکثر گائیڈ اٹھائے پھرتے ہیں، تاکہ سیاح کو کہیں گھاس پر بیٹھنا پڑے تو اس کے کپڑے خراب نہ ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے، اونچی آواز میں باتیں کرتے اور لوگوں کے درمیان سے گزرتے خاموش فوّاروں کے پاس سے ہوتے ہوئے آگے کھسک گئے تو بھی کسی نے اُدھر دھیان تک نہ دیا۔

داس کے پاس جنوبی مینار کی چابی تھی۔ اُنہوں نے چپکے چپکے نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے لوہے کے چھوٹے دروازے کا تالا کھولا اور آہستہ آہستہ اُوپر چڑھنے لگے۔ مینار کے اُوپر نہایت خوبصورت گیلری بنی ہوئی تھی۔ وہاں بیٹھ کر داس نے اطمینان کا سانس لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کارڈن کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کارڈن نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"یہ تنہائی بڑی خوبصورت ہے۔ اس کام کے لیے اس سے اچھی جگہ ملنا ممکن نہ تھا۔"

"شکریہ جناب۔" داس نے کہا، "جگہ واقعی اچھی ہے۔"

ایک سو چونسٹھ سیڑھیاں چڑھنے سے کارڈن کا سانس پھُول گیا تھا۔ وہ ہانپتے ہوئے دریائے جمنا کی طرف دیکھنے لگا جس کا پانی چاند کی روشنی میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ مغرب میں قلعہ اور درختوں میں گھرے ہوئے آگرے

کے مکان تھے، لیکن اس نے اس دل فریب نظارے کو ایک نظر ہی دیکھا اور پھر داس سے کہنے لگا۔

" غالیچہ نیچے بچھا دو تاکہ فوراً کام شروع کیا جا سکے۔ میری جیب میں ایک چھوٹی سی قینچی ہے۔ ہیرے کاٹنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔"

داس نے کپڑا کھولے بغیر، جس میں غالیچہ چھپا ہوا تھا، آرام سے نیچے رکھ دیا۔

"اب مجھے کار کی چابی بھی دے دو۔"

" کار کی چابی، کیوں ؟ " داس نے حیرت سے کارڈن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، چابی ——— اس لیے کہ اب تمہیں اس کی ضرورت نہ پڑے گی ———" کارڈن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

داس نے ایک لمبا سانس لیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے کارڈن کے ہاتھ میں قینچی کے بجائے پستول تھا جس کی نال پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔

"مسٹر کارڈن، آپ بھول گئے کہ ہم حصے دار ہیں۔" داس اتنا ہی کہہ سکا۔ شاید اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں خوف سے پھیل کر اور بڑی ہو گئی تھیں۔ وہ مایوسی سے تاریک سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

" یہ درست ہے کہ ہم حصے دار تھے، مگر اب تمہاری ضرورت نہیں۔ جانتے ہو کیوں ؟ "

"ہاں، اس لیے کہ آپ تمام ہیرے خود رکھیں اور ہمیں کچھ نہ دیں، لیکن آپ مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہیں ؟"

"اس لیے مسٹر داس کہ اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں اور ایک سمجھ دار چور ہونے کی حیثیت سے میں چشم دید گواہ کا کوئی نشان پیچھے نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"درست، لیکن آپ تو کہتے تھے کہ اناڑی لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں ہمیشہ گھاٹا رہتا ہے۔"

" اب تمہیں پتا چلا کہ تم اناڑی ہو" کارڈن نے ہنستے ہوئے کہا، "میں

آسانی سے ہیرے مورتیوں میں بند کر کے لے جاؤں گا۔"

"لیکن مورتیاں کار میں ہیں۔" داس نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں سے فارغ ہو کر میں کار ہی میں جاؤں گا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں چابی نکالو۔" کارڈن نے پستول ہلاتے ہوئے کہا۔

داس نے کپکپاتے ہاتھوں سے چابی اُسے دی اور کہا:

"اگر آپ مجھے گولی ماریں گے تو کوئی سن لے گا اور آپ مینار ہی میں پھنس جائیں گے۔"

"میں نے اُوپر چڑھتے وقت مینار کا دروازہ بند کر دیا تھا اور خصوصاً اس کے ساتھ آواز بھی نہ ہوگی۔" کارڈن نے پستول پر لگے ہوئے سائلنسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے بمبئی والے دوست کو پتا چل جائے گا کہ آپ نے مجھے قتل کر دیا ہے۔" داس نے یوں کہا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو۔

"نہیں۔" کارڈن بڑے اعتماد سے ہنسا، "اس سے پیشتر کہ اسے معلوم ہو، میں پیرس پہنچ چکا ہوں گا۔"

"پیرس؟"

"تو اور کیا یہ لوٹ کا مال لے کر میں گھر جاؤں گا؟ سنو داس، میں یہاں ہیرے کاٹوں گا، پھر غالیچہ یہیں پھینک کر تمہاری کار میں بیٹھوں گا اور ہیروں کو مورتیوں میں بند کر کے کل صبح پہلے ہوائی جہاز سے نکل جاؤں گا۔ تمہاری کار ہوٹل کے باہر کھڑی ملے گی۔ فخرِ ہندوستان غائب ہوگا اور تمہاری لاش یہاں سڑ رہی ہوگی۔"

"بس؟" داس نے کہا۔

"ہاں، کیا تمہارے پاس کوئی اچھی تجویز ہے؟"

"یہ کہ آپ مجھے غالیچے سے جواہرات کاٹنے کا موقع دیں، کیوں کہ وقت کم ہے۔ دس بجے تاج محل سیّاحوں کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ آپ اکیلے یہ کام نہ

کر سکیں گے۔" داس نے تجویز پیش کی۔

"نہیں، میں کام خود ہی کروں گا۔" کارڈن نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا، "تم فکر نہ کرو۔"

پستول کے گھوڑے پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ داس پتھر کی طرح ساکت تھا۔

"اچھا دوست، اب تم اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہو۔" یہ کہتے ہی کارڈن نے پستول کا گھوڑا دبا دیا۔ داس جھکا، اس نے زمین پر پڑا ہوا کپڑا اُٹھایا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم نے حماقت کی ہے کارڈن، غالیچہ یہاں نہیں ہے۔" داس نے نفرت سے کہا۔

کارڈن نے اس کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ وہ حیرت سے پستول کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرے خدا، یہ کیا؟" اس نے پے در پے پستول کا چھ دفعہ گھوڑا دبا دیا۔

داس اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ بولا:

"جب آپ لوگ ایئرپورٹ سے ہوٹل آئے تو میں بھی آپ کو لانے والوں میں تھا۔ آپ کا سامان (جب آپ دفتر میں نام درج کروا رہے تھے) میں خود کمرے میں لے گیا تھا۔ آپ کے بیگ کے اوپر سے میں نے آپ کا نام پڑھا تھا اور آپ کے پستول سے میں نے ہی گولیاں نکالی تھیں، کیوں کہ مجھے یقین تھا کہ آپ میرے ساتھ مل کر کام کریں گے اور آخر میں اس طرح کی بد دیانتی کا مظاہرہ بھی کریں گے۔

"یہ ہیں آپ کی گولیاں۔" داس نے جیب سے گولیاں نکال کر کارڈن کو دکھائیں اور جیب میں ڈال لیں۔

"جب تم مجھے برآمدے میں ملے تھے، کیا یہ اس سے پہلے کی بات ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تب تم اناڑی نہیں ہو داس۔"

"عزت افزائی کا شکریہ۔" داس نے جھک کر کہا۔

"کیا غالیچہ واقعی کار میں ہے؟"

"جی ہاں۔" داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب ہم کار سے نکلے تو میں نے اُسے اس کپڑے سے نیچے کھسکا دیا تھا۔"

"داس، تم بہت تیز ہو۔ میں مانتا ہوں۔ تم نے یہ بازی جیت لی۔ آؤ اب کام شروع کریں۔"

"نہیں جناب، جیسا کہ آپ نے کہا تھا اب آپ کی ضرورت کسے ہے۔ برقی الارم کا نظام معطل کر کے آپ نے بہت اُستادی سے غالیچہ چُرا کر مجھے دے دیا۔ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ میں الارم کے برقی نظام کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا، اس لیے مجبوراً آپ کی خدمات حاصل کرنی پڑیں۔"

"میں جانتا ہوں تم اناڑی ہو۔"

"جی ہاں، اب جب کہ فخرِ ہندوستان میرے ہاتھوں میں ہے، آپ کی قابلیت میرے کسی کام کی نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم کہہ رہے تھے کہ ہیرے ہندوستان میں نہیں بِک سکیں گے۔"

"دُرست ہے۔"

"ہیرے بیچنے کے لیے تمہیں میری ضرورت تو پڑے گی۔"

"نہیں جناب، میں ہیروں کو غالیچے سے نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" داس نے ہنس کر کہا۔

کارڈن کو اچانک احساس ہوا کہ اسے جال میں پھنسایا گیا ہے۔ ہر بات اس کے لیے حیران کُن تھی۔ داس کے سامنے وہ اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھ رہا تھا۔

"پھر یہ سارا چکّر کیا تھا؟" وہ غرّایا۔

"میں عرض کرتا ہوں جناب۔" داس نے ادب سے کہا۔ "بمبئی والا دوست اصل میں میرا چچا زاد بھائی ہے۔ اور اس کا والد اس انشورنس کمپنی میں ملازم

ہے جس نے فخرِ ہندوستان کا بیمہ کیا ہے۔ جب کمپنی کو فخرِ ہندوستان کی چوری کی اطلاع ملے گی، کمپنی آسانی سے واپسی کے لیے دس فی صد انعام دے دے گی کمپنی ایک بار پہلے بھی پانچ لاکھ روپے انعام دے چکی ہے۔"

"فخرِ ہندوستان کی واپسی پر پانچ لاکھ انعام! کیا یہ پہلے بھی چوری ہو چکا ہے؟" کارڈن نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، ایک بار پہلے بھی اور یہ دوسری بار ہے۔ کسی فخر کا اظہار کیے بغیر میں عرض کروں گا کہ ہر مرتبہ چوری کا بندوبست میں نے کیا اور طریقۂ کار کا لائحہ عمل بھی میں نے بنایا۔"

"کیا تم پہلے بھی انعام لے چکے ہو؟"

"جناب والا۔" داس جھکا۔

"اور ایک بار پھر یہ خطیر رقم لو گے؟"

"اکیلے نہیں، میں اور میرا چچازاد بھائی آدھا آدھا لیں گے، کیونکہ فنی مدد کے لیے آدمی وہ چُنتا ہے۔"

"معاف کرنا۔" کارڈن نے حیرت سے کہا، "میں نے تمہیں کئی بار اناڑی کہا ہے۔"

"یہ واقعی ناگوار بات تھی جناب کہ آپ نے مجھے اناڑی کہا۔ اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد خوش فہمی ہوتی ہے۔ بہر حال اب آپ اطمینان رکھیں کہ آپ کی موت دنیا کی خوبصورت ترین جگہ پر واقع ہو گی۔"

"موت؟" کارڈن نے اچانک اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی ایک لہر محسوس کی، "موت" وہ بڑبڑایا۔ "لیکن تم مجھے کیوں مارو گے؟"

"آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ موقع واردات پر عینی شہادت چھوڑ دینا حماقت ہے۔"

کارڈن کا لہو خشک ہو گیا۔ چند لمحے تک دونوں ایک دوسرے کی طرف خونیں نظروں سے تکتے رہے۔ دفعتہً کارڈن نے داس کے سر پر پستول دے مارا

واس نے وار خالی دے کر اس کے ہاتھ جکڑ لیے اور ایک زوردار جھٹکا دے کر کارڈن کو بے بس کر دیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ کارڈن نے واس کی گرفت سے نکلنے کی پوری کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ واس نے کارڈن کو دھکیل کر گیلری کے کنارے پر کھڑا کر دیا اور اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ کر اس کی آخری چیخ بھی دبا دی۔ کارڈن نے سنا۔ واس کہہ رہا تھا:

"یہ خودکشی کی واردات ہوگی جناب، میں اس خبر کی تصدیق کروں گا کہ آپ امریکا سے عشق میں ناکام ہو کر چلے تھے اور مینار کے دروازے کا تالا آپ جیسے مشہور چور کے لیے توڑنا کون سا مشکل کام تھا۔ آپ مجھے نیچے چھوڑ کر اوپر کھسک آئے اور آپ نے جذباتی ہو کر مینار سے چھلانگ لگا دی۔ اچھا مسٹر کارڈن، خدا حافظ، میں نیچے جا کر آپ کی خودکشی کی اطلاع دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر واس نے کارڈن کو اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا اور کہا:

"بطور پرائیویٹ گائڈ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے فرش تک کا فاصلہ پورے ایک سو سوا باسٹھ فیٹ ہے۔"

کارڈن تیزی سے فرش کی طرف جا رہا تھا۔ آخری بار اس نے سوچا کہ اسے شکست دینے والا کوئی اَن پڑھ اور اناڑی نہ تھا، بلکہ بہت لکھا پڑھا ماہرِ فن آدمی تھا۔

ٹیکسی

کالگن نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا ہی تھا کہ اس کے نائب، میک آئیور نے منہ بنا کر کہا:

"لیجئے آئی مصیبت۔"

کالگن نے گھوم کر دیکھا۔ دروازے میں ایک دراز قد عورت کھڑی تھی۔ اس کے قیمتی لباس اور انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھے گھرانے کی تعلیم یافتہ عورت ہے۔ تاہم قدرے پریشان نظر آ رہی تھی۔ ان دونوں کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی اور وہ نپے تلے قدم اٹھاتی میز کے قریب آ گئی۔

"مسٹر کالگن، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں... مجھے آپ کے دفتر جانا چاہیے تھا، لیکن اس خوف سے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا ہے، میں وہاں نہیں گئی... مجھے معلوم تھا آپ یہاں موجود ہوں گے....."

کالگن نے اس کی کانپتی ہوئی آواز سے اندازہ کیا وہ بہت دہشت زدہ ہے اور بمشکل اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے ہے۔

"بیٹھ جائیے مادام۔" کالگن نے تیسری کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میک آئیور گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چلتا ہوں، دفتر میں بیٹھوں گا۔" اس نے عورت کو گھور کر دیکھا اور بیر ٹیکنا

ہوا باہر چلا گیا۔

کالگن نے مسکراتے ہوئے کہا :

"یہ میرا شریک کار ہے، اپنی شادی کے مسئلے پر بات کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے تشریف لا کر اس کا سارا مزا کرکرا کر دیا۔"

"مسٹر کالگن، میرا کام انتہائی اہم ہے اور چونکہ آپ کی شہرت سے آگاہ ہوں، اس لیے اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے سیدھی آپ کے پاس چلی آئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔"

کالگن نے نیا سگریٹ سلگایا۔ "تفصیل بتایئے مادام، آپ کا کام کیا ہے، اور آپ اتنی خوف زدہ کس لیے ہیں ؟"

عورت نے چند لمحے سوچنے کے بعد سرد آہ بھری اور رُندھے ہوئے لہجے میں بولی :

"میرا نام مسز زیروس ہے۔ گزشتہ سال سیاحت کے دوران میں میری ملاقات ایک غیر ملکی شخص سے ہوئی، تعلقات بڑھے اور میں نے اُس سے شادی کر لی۔ بڑی محبت ہے مجھے اُس سے۔"

"معلوم ہوتا ہے اُس نے آپ سے بے وفائی کی اور اب کسی اور عورت کے تعاقب میں ہے۔" کالگن نے لقمہ دیا۔

"کاش ایسا ہوتا مسٹر کالگن، میں اپنے شوہر کی بے وفائی برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن یہ معاملہ تو بے وفائی سے زیادہ المناک ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے میرا شوہر جاسوس ہے اور ہمارے ملک کے فوجی راز حاصل کر کے جرمنوں کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے۔"

کالگن نے ہاتھ سے پیالی رکھ دی۔ اُس کی بھویں تن گئیں۔ "معاملہ دلچسپ ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا۔

"یقین کیجیے، میرا آرام اور چین برباد ہو گیا ہے۔" عورت نے روتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، کہاں جاؤں، کس سے ذکر کروں۔ چند ماہ پیشتر میری ایک سہیلی نے آپ کے چند کارنامے سنائے تھے، اس لیے چلی آئی ہوں۔ میں آپ کو منہ مانگی فیس ادا کر دوں گی۔ خدارا مجھے اس عذاب سے نجات دلائیے۔" اس کی خوبصورت نیلی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ کالگن کو متاثر ہونے میں دیر نہ لگی۔

"مادام، اگر آپ چاہتی ہیں کہ مفید نتائج برآمد ہوں، تو سب کچھ سچ سچ بتا دیجیے۔"

"میں کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی۔" مسز زیروس نے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے چھ ماہ پیشتر احساس ہوا کہ میرے شوہر کا رویّہ پُراسرار اور ناقابلِ فہم ہوتا جا رہا ہے، وہ چُپ چاپ رہتا ہے جیسے کسی ذہنی اذیت یا غم میں مبتلا ہے۔ میں نے کئی بار اس سے اس کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہر بار ٹال جاتا صبح ناشتا کرتے ہی گھر سے نکلتا اور رات گئے لوٹتا۔ کبھی کبھی آدھی رات کو بستر سے اُٹھ کر چپکے سے باہر چلا جاتا۔ ہٹلر کے اعلانِ جنگ سے چند ہفتے پہلے ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ مجھے سویا ہوا سمجھ کر گھر سے نکلا، لیکن کھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میرا شوہر کہاں جاتا ہے، اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ اِدھر اُدھر یا پیچھے دیکھے بغیر جا رہا تھا، آخرکار ویسٹ اینڈ کے ایک چھوٹے سے کلب میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دروازے سے لگ کر دیکھا، وہ ایک اور شخص سے رازدارانہ باتیں کر رہا تھا۔ میں دوسرے آدمی کو پہچانتی تھی، وہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ملازم تھا۔ ان دونوں کو یوں ملتے دیکھ کر فوراً یہ خیال آیا کہ میرا شوہر جاسوس ہے۔ نہ جانے وہ کب تک وہاں رہا، میں اُلٹے پاؤں گھر واپس آ گئی، لیکن مجھے رات بھر نیند نہ آئی، میرے دل و دماغ پر دہشت طاری تھی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کروں۔ میں نے اپنے شوہر سے کچھ نہ کہا، مگر چپکے چپکے اس کی پُراسرار حرکتوں اور آمد و رفت پر نگاہ رکھنے لگی۔ اس دوران میں مجھے

بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ اگر پولیس کو جا کر بتا دیتی تو میرا شوہر یقیناً جیل میں ہوتا، لیکن اس محبت کے باعث جو مجھے اپنے شوہر سے ہے، میں نے پولیس کی مدد حاصل نہیں کی، مگر اب معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔"

مسز زیبروس ویران نظروں سے چھت کی طرف تکنے لگی۔ کالگن خاموشی سے سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔

"آپ کو یاد ہو گا مسٹر کالگن، گزشتہ ہفتے اخباروں میں یہ سنسنی خیز خبر شائع ہوئی تھی کہ ریجنٹ پارک میں کھڑی ہوئی ایک کار میں سے چند اہم ترین سرکاری کاغذ چرا لیے گئے ہیں۔ ان کا تعلق برطانیہ کی خفیہ سروس سے تھا۔ چوری کا سراغ لگانے میں پولیس ناکام رہی ہے، لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ پرسوں رات میں نے یہ تمام کاغذات اپنے گھر میں دیکھے۔ میرے شوہر نے اپنے کمرے میں کتابوں کی الماری کے پیچھے چرمی تھیلے میں انہیں بند کر رکھا تھا۔"

"پھر آپ نے کیا کیا؟" کالگن نے پوچھا۔

"کاغذات کو دیکھتے ہی میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ شام کو جب میرا شوہر گھر آیا، تو میں نے اسے الگ لے جا کر پوچھا کہ یہ کاغذات کہاں سے آئے اور ویسٹ اینڈ کلب میں آدھی رات وہ کس سے ملنے جاتا ہے؟ میری باتیں سن کر اس کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے حسبِ معمول مجھے بہکانے کی کوشش کی، مگر میں نے سختی سے کہا: دیکھو، تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔ بے شک مجھے تم سے محبت ہے، لیکن وطن تم سے بھی پیارا ہے۔ اگر تم سچ سچ نہ بتاؤ گے، تو بخدا ابھی سکاٹ لینڈ یارڈ کو فون کر دوں گی، وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور میرے پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ ذرا صبر کرو، میں سب کچھ بتا دوں گا۔ تم نہیں جانتیں میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بس اتنا کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے مجھے کاغذات اور اپنے کلب والے دوست کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتایا۔ اس کی حالت

سے ہیں نے اندازہ کیا کہ اسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ میری حماقت دیکھیے کہ کاغذات کا تھیلا اسی کے کمرے میں رہنے دیا۔ صبح بیدار ہوئی تو وہ گھر میں نہ تھا۔ میں نے فوراً اس کے کمرے کی تلاشی لی، تھیلا غائب تھا۔ وہ اُس روز گھر نہ آیا، البتہ شام کی ڈاک میں اس کے قلم سے لکھا ہوا ایک خط ملا۔"

مسز زیروس نے اپنا پرس کھول کر کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ نکالا اور کالگن کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر لکھا تھا:

"تم نے دھمکی دی ہے کہ پولیس کو سب کچھ بتا دو گی۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اگر تم نے پولیس کو مطلع کیا، تو میں وہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا جس سے تم آگاہ ہو۔ فرانز زیروس"

کالگن نے پُرزہ تہہ کر کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور کہا:

"اس میں لکھا ہے: میں وہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا جس سے تم آگاہ ہو۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کی مراد خودکشی سے ہے۔" مسز زیروس نے آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا "مجھے یقین ہے وہ اپنے آپ کو ختم کر دے گا۔ آج صبح گھر سے نکلی، تو محسوس ہوا کہ وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔ شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا میں پولیس سٹیشن جاتی ہوں یا نہیں۔ یکایک خیال آیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اپنے شوہر کا پیچھا کر کے پتہ کرنا چاہیے کہ وہ رہتا کہاں ہے؛ چنانچہ موقع پا کر میں ایک دُکان میں گھسی اور پچھلے دروازے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ بعد میں یہ ٹیکسی اس دکان کے صدر دروازے کے سامنے دوسری طرف فٹ پاتھ پر رُکوالی۔ میرا شوہر کچھ فاصلے پر ایک کھمبے کے ساتھ کھڑا میرے باہر آنے کا منتظر تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہ دُکان کے اندر داخل ہوا، لیکن فوراً باہر آ گیا۔ اُس کے مضطرب چہرے سے میں نے اندازہ کیا کہ مجھے وہاں نہ

پا کر ہراساں ہے۔اس نے ٹیکسی پکڑی۔میں بھی ٹیکسی میں اس کے پیچھے پیچھے گئی۔سینٹ جان وُڈ کے علاقے میں ایک خالی اور الگ تھلگ مکان کے پاس اس نے ٹیکسی رُکوائی اور دروازے پر لگا ہوا قفل کھول کر اندر چلا گیا۔"

"خوب! بہت خوب!" کالگن نے مسکرا کر کہا۔"داستان نہایت دلچسپ ہے مسز زیروس، لیکن یہ تو بتائیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"میں چاہتی ہوں آپ سینٹ جان وُڈ کے اُس مکان میں جائیں۔مجھے امید ہے وہ اہم سرکاری کاغذات اسی مکان میں کہیں چھپائے گئے ہیں۔آپ انہیں وہاں سے حاصل کر کے حکومت کے حوالے کر دیں۔اس کے بعد آپ میرے شوہر سے تمام حالات دریافت کر کے اسے غیر ملکی جاسوسوں کے پنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کریں۔"

مسز زیروس نے پرس کھول کر ایک لفافہ نکالا اور کہنے لگی:

"اس میں دو سَو پچاس پونڈ کے کرنسی نوٹ ہیں۔یہ آپ کی پیشگی فیس ہے، اور یہ ہے وہ کاغذ جس پر سینٹ جان وُڈ کے مکان کا پتہ لکھا ہوا ہے۔" کالگن کی طرف چند لمحے خاموشی سے دیکھنے کے بعد اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا:

"خدا کے لیے مجھے مایوس نہ کیجیے۔یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔" اس کا رومال ایک بار پھر آنکھوں تک پہنچ گیا۔کالگن نے لفافہ جیب میں رکھا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا:

"فکر نہ کیجیے مادام، میری خدمات حاضر ہیں۔"

شام کے سات بجے کالگن اپنے دفتر میں داخل ہوا۔بلیک آؤٹ اور کُہر کے کے باعث اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔اس نے کوٹ اتار کر ایک طرف پھینکا، ہیٹ کھونٹی پر لٹکایا اور عادت کے مطابق دونوں ٹانگیں میز پر پھیلا کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کی سیکرٹری کمرے میں داخل ہوئی:

"ایک شخص آپ سے ملنے آیا ہے۔اپنا نام زیروس بتاتا ہے اور بضد ہے کہ اسی

وقت ملنا ہے۔"

کالگن نے میز سے ٹانگیں ہٹالیں اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "اُسے آنے دو۔"

چند منٹ بعد زیروس داخل ہوا اور کالگن کی میز کے قریب آکر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ وہ پست قامت آدمی تھا۔ پھولے ہوئے چہرے پر موٹے شیشوں کی عینک لگی تھی جسم کے مقابلے میں اس کا سر خاصا بڑا اور وزنی تھا۔ کالگن اسے ایک نظر دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا،

"فرمائیے مسٹر زیروس، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

زیروس نے دانت پیس کر کہا: "مسٹر کالگن، آج میری بیوی آپ سے ملنے آئی تھی، اس نے آپ سے کیا کہا۔؟ کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"میں پرائیویٹ سراغرساں ہوں۔"

"میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ میری بیوی کو اتنا سمجھا دیں کہ وہ اپنی سرگرمیوں سے باز آجائے، ورنہ جو کہہ چکا ہوں، اس پر عمل کروں گا۔ سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔" کالگن نے جواب دیا۔ "اور کچھ؟"

"بس۔" زیروس نے کہا۔ "اور یہ کہ تم سراغرساں کے بجائے نرے اُلّو نظر آتے ہو۔"

وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ کالگن بولا: "تم نے ٹھیک کہا مسٹر زیروس، میں احمق ہوں، لیکن تم مجھ سے بھی بڑے احمق ہو۔" اس نے قہقہہ لگا کر گھنٹی بجائی۔ سیکریٹری کمرے میں داخل ہوئی۔

"ایفی، اِس شریف آدمی کو باہر جانے کا راستہ دکھاؤ، بیچارہ اتنے موٹے شیشوں کی عینک لگائے ہوئے ہے کہ اس بلیک آؤٹ میں کہیں لڑھک گیا تو ہڈی پسلی برابر ہو جائے گی، بلکہ بہتر یہ ہے کہ فون کر کے کوئی ٹیکسی منگوا لو۔"

"شکریہ۔" زیروس نے جھلّا کر کہا۔ "باہر ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے۔"

اس کے جاتے ہی کالگن نے ڈیسک ٹیلی فون پر اپنے نائب، میک آلیور سے کہا: "میک، ایک شخص ابھی ابھی میرے کمرے سے باہر گیا ہے اس نے اوور کوٹ

پہن رکھا ہے۔ گلے میں سُرخ رومال اور آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک ہے۔ باہر ایک ٹیکسی اس کے انتظار میں ہے، ذرا دوڑ کر اس کا نمبر تو نوٹ کر لو۔"

تین منٹ بعد میک آلیور کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سانس پھُولا ہوا تھا۔

"جناب، باہر کوئی ٹیکسی نہ تھی۔ وہ شخص یہاں سے نکل کر سڑک پر پیدل ہی جا رہا تھا کہ میرے دیکھتے دیکھتے مخالف جانب سے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور وہ اس میں بیٹھ کر چلا گیا۔ ٹیکسی مجھ سے بیس تیس گز کے فاصلے پر تھی۔ بلیک آؤٹ ہونے کے باعث مَیں اس کا نمبر نوٹ نہ کر سکا۔"

کاگن نے سر ہلایا۔ "اچھّا، تو وہاں ٹیکسی موجود نہ تھی اور دوسری سمت سے بعد میں ٹیکسی پہنچی۔ خوب! لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ٹیکسی ہی تھی؟"

میک آلیور، صاحب کی بے وقوفی پر ہنسا: "جناب، اس کے اوپر لفظ "ٹیکسی" روشن حروف میں چمک رہا تھا اور جب وہ شخص گاڑی میں بیٹھ گیا، تو ٹیکسی ڈرائیور نے لفظ ٹیکسی کے روشن حروف بجھا دیے۔"

"اچھّا، تم دفان ہو جاؤ۔" اس نے سگریٹ سلگا کر پیر دوبارہ میز پر رکھ لیے اور دھوئیں کے چھلّے بنانے لگا۔ یکایک اس نے اپنی نوٹ بک جیب سے نکالی، مسز زیبروس کا فون نمبر تلاش کیا اور ڈائل گھمانے لگا۔ دوسری جانب گھنٹی بج رہی تھی، لیکن کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ اس نے بار بار ڈائل کیا اور پندرہ منٹ بعد جا کر کہیں کامیابی ہوئی۔

"مسز زیبروس، آپ کا خاوند تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھے اور آپ کو مشورہ دیا ہے کہ ہم اپنے کام سے کام رکھیں اور اس کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ آپ کا خیال صحیح ہے کہ جب آپ صبح میرے پاس آئیں، وہ آپ کا تعاقب کر رہا تھا۔"

"پھر کیا سوچا آپ نے؟ میں تو صبح سے سخت پریشان ہوں اور مارے خوف کے گھر سے بھی نہیں نکلی۔" مسز زیبروس نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"آپ کی پریشانی بجا ہے، ویسے میں سوچ رہا ہوں اب ہمیں حرکت میں آ جانا چاہیے۔ آپ کا شوہر خاصا "سخت" آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ یقیناً فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے، بہرحال میں چند منٹ کے اندر اندر آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں پھر ہم دونوں سینٹ جان وڈ کے پُراسرار مکان میں چلیں گے۔ شاید وہاں سے کچھ سراغ مل سکے۔ آپ اتنی دیر میں تیار ہو جائیے۔"

"بہت بہتر، میں آپ کی منتظر ہوں۔"

کالگن نے فون بند کر کے میک آلیور کو بلایا، اُسے چند ہدایات دیں اور سیٹی بجاتا ہوا دفتر سے باہر چلا گیا۔

آٹھ بجے کالگن نے اپنی کار سینٹ جان وڈ کے علاقے میں لے جا کر روک دی ہر طرف وحشت ناک سناٹا اور گھپ اندھیرا تھا۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد اس نے چپکے سے کہا:

"مسز زیبردس، میرا خیال ہے وہ سامنے والا مکان ہے جس کی سفید سفید چھت نظر آ رہی ہے۔ جاسوسوں کے لیے ایسا ماحول اور موسم بڑا مفید ہوتا ہے۔"

"آہ! مسٹر کالگن، ایسا نہ کہیے، میرا دل دھڑک رہا ہے۔" مسز زیبردس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس نے کار سے نکل کر کالگن کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مکان کے گرد ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کالگن اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا اور درختوں کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے چھوٹی سی ٹارچ روشن کی اور جیب سے چند اوزار نکال کر قفل کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ مسز زیبردس سہمی ہوئی نظروں سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ دو منٹ بعد قفل جھٹکے سے کھل گیا۔

"آئیے مسز زیبردس" کالگن نے مدہم آواز میں کہا۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک ہال کمرے میں پایا، سجے ہوئے فرنیچر پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ہال کے دوسرے سرے

پر ایک ادھ کھلا دروازہ ٹارچ کی روشنی میں نظر آیا۔ کالگن دبے پاؤں اس طرف بڑھا اور دروازے میں سے جھانکا، پھر اندر داخل ہو کر جلدی سے کھڑکیوں پر پردے کھینچ دیے اور بجلی کا بٹن دبا دیا۔ اس کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"مسز زیروس یہاں آیئے۔" اس نے آہستہ سے آواز دی۔ عورت ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوئی، لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بے اختیار رونے لگی۔

آتش دان کے سامنے قالین پر خون میں نہائی ہوئی زیروس کی لاش پڑی تھی اس کی بائیں کنپٹی میں خاصا بڑا سوراخ تھا۔ گولی دوسری جانب سے نکل گئی تھی۔ زیروس کے دائیں ہاتھ میں پستول ابھی تک موجود تھا۔ کالگن نے مسز زیروس کی طرف دیکھا اور افسوس کے کلمات کہے۔

"اُف خدایا! آخر اس نے خودکشی کر ہی لی۔" عورت نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"آپ فکر نہ کیجئے مسز زیروس، نہایت سکون سے اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔ مجھے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ کاغذات یہیں کہیں تو نہیں۔" وہ تیزی سے کمرے کا سامان اُلٹنے پلٹنے لگا۔ ایک گوشے میں پڑے ہوئے پلنگ کا گدا اٹھاتے ہی چرمی تھیلا نظر آیا۔ اس میں کاغذات موجود تھے۔

"کاغذات تو مل گئے۔" کالگن نے کہا۔ "سوال یہ ہے کہ ان کا کیا کیا جائے۔"

"آپ یہ کاغذات گورنمنٹ کے حوالے کر کے اسے تمام واقعات سے آگاہ کر دیجئے۔" مسز زیروس نے مشورہ دیا۔ کالگن نے آتش دان کے قریب کھڑے ہو کر سگریٹ سلگایا اور پُر معنی انداز میں لاش کی طرف تکنے لگا۔ چند لمحے بعد بیرونی ہال کی طرف سے قدموں کی آواز آئی۔ میک ایلور کمرے میں داخل ہوا۔ کالگن نے پوچھا:

"اُسے پکڑ لیا گیا؟"

"جی ہاں، پولیس والے اسے سکاٹ لینڈ یارڈ میں لے گئے ہیں۔"

مسز زیروس کی آنکھیں پھیل گئیں : اس نے کہا :

"میں سمجھی نہیں مسٹر کالگن، کون پکڑا گیا ؟ مجھے تفصیل سے بتائیے "

کالگن نے ہنستے ہوئے کہا : "مسز زیروس، تم خوب جانتی ہو کون پکڑا گیا ہوگا میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ آج تک تم جیسی باکمال ایکٹرس میری نظروں سے نہیں گزری۔ تم نے نہایت چالاکی سے اصل واقعات کو اُلٹ کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کی، مگر مات کھا گئیں۔ یہ تمہارا بدنصیب خاوند جو مَرا پڑا ہے جاسوس نہیں ہے، بلکہ جاسوس تم اور تمہارا وہ غیر ملکی دوست ہے جسے پولیس پکڑ کر لے جا چکی ہے۔ تم دونوں نے کاغذات چُرائے اور اتفاق سے تمہارے شوہر کو ان کا پتہ چل گیا۔ اس نے تمہیں سمجھایا کہ یہ کاغذات فوراً گورنمنٹ کو واپس کر دو! ورنہ وہ پولیس کو اطلاع دے دے گا۔ خاوند کے اس رویّے پر تم عجب مشکل میں پھنس گئیں۔ اس سے نمٹنے کے لیے تم نے بہت اچھا منصوبہ تیار کیا۔ تم جانتی تھیں کہ تمہارا شوہر تم سے محبت کرتا ہے اور وہ کبھی پولیس کو اطلاع نہیں دے گا۔ تم نے اسے دھمکایا کہ اگر وہ پولیس کے پاس گیا تو تم کہہ دو گی یہ کاغذات خود اسی شخص نے چُرائے ہیں، کیونکہ یہ غیر ملکی ہے۔ پولیس والے تمہارے مقابلے میں غیر ملکی شخص کی بات نہ مانتے۔ تم نے اپنے شوہر کو یہاں تک ڈرایا کہ تم مجھ سے مل کر مشورہ طلب کرو گی، چنانچہ تم میرے دفتر آئیں اور تمہارے شوہر نے تعاقب کیا۔ تم یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ بھی میرے دفتر میں آ کر مجھ سے مل سکتا ہے، اس لیے کہ اگر وہ واقعی جاسوس ہوتا، تو اتنی احمقانہ حرکت کبھی نہ کرتا۔ تم نے مجھے اپنے شوہر کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ پُرزہ بھی دکھایا جس میں بقول تمہارے "خودکشی" کی دھمکی دی گئی تھی، حالانکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ ثابت کر سکتا ہے کاغذات تم نے چُرائے ہیں۔ تم اپنے شوہر کی اس کمزوری سے آگاہ ہو کہ اس کی نظر بے حد کمزور ہے اور اس بلیک آؤٹ میں جب وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے گا، تو ٹیکسی کو باہر رُکنے کے لیے ضرور کہے گا۔ تم میرے دفتر کے آس پاس گھومتی رہیں

اور جب وہ ٹیکسی سے اُتر کر میرے دفتر میں آیا، تو تم نے وہ ٹیکسی کرایہ دے کر رخصت کر دی۔ وہ مجھ سے مل کر باہر نکلا، تو ٹیکسی غائب تھی۔ وہ کسی اور ٹیکسی کی تلاش میں پیدل چل کھڑا ہوا۔ یکایک سامنے سے ایک ٹیکسی آ کر اس کے قریب رک گئی۔ اس کی کمزور نظر کا خیال کرتے ہوئے بلیک آؤٹ کے باوجود ٹیکسی کا نشان روشن کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ بے جھجک اس ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے TAXI کے حروف بجھا دیے۔ بے چارے زیردس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ تم ٹیکسی کے اندر پستول لیے بیٹھی تھیں اور تمہارا غیر ملکی دوست گاڑی چلا رہا تھا۔ تم نے اپنے شوہر کی کنپٹی میں گولی مار دی اور پھر فوراً گھر چلی گئیں اور تمہارا دوست لاش کو "خودکشی" کی صورت دے کر اس مکان میں چھوڑ گیا! البتہ اس نے ایک بات پر غور نہ کیا کہ کوئی شخص خودکشی کرنے کے لیے اتنا تردّد نہیں کرتا کہ دائیں ہاتھ میں پستول لے کر اپنی بائیں کنپٹی کو نشانہ بنائے۔ تم نے سوچا میں اس مکان میں ضرور آؤں گا اور تمہارے شوہر کی لاش دیکھتے ہی فوراً سمجھ جاؤں گا کہ اس نے "خودکشی" کر لی ہے، پھر یہیں سے مجھے وہ کاغذات بھی مل جائیں گے جنہیں لے کر میں سکاٹ لینڈ یارڈ جاؤں گا اور زیردس پر جاسوسی کا الزام دھرتے ہوئے انہیں اطلاع دوں گا کہ اس نے اپنے آپ کو گولی ماری ہے، کیونکہ اس کی بیوی نے اپنے ملک سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک پرائیویٹ سراغ رساں کو کاغذات حاصل کرنے کے کام پر لگا دیا تھا! چنانچہ حکومت تمہاری بے حد شکر گزار ہوگی۔ تم اور تمہارا دوست بعد ازاں اطمینان سے دشمنوں کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے رہتے اور کسی کو تم جیسی محبِّ وطن خاتون پر شک نہ گزرتا۔ اور ہاں، ایک بات اور ہے۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ مارے خوف کے آج دن بھر گھر سے نہ نکلیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ میں ٹیلی فون کرتا رہا اور پندرہ منٹ تک کسی نے ریسیور نہ اٹھایا۔ غالباً یہ وہی وقت تھا جب تم بے گناہ شوہر کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فرض ادا کر رہی تھیں۔"

مسز زیردس مسکرائی۔ اب وہ بالکل پرسکون تھی: "مسٹر کالگن، آپ نے جو تھیوری بیان کی، وہ بڑی دلچسپ ہے، لیکن کاغذات چرانے کے بعد انہیں دوبارہ یہیں چھوڑ کر اصل مالکوں کے حوالے کر دینے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟"

کالگن نے قہقہہ لگایا: "مسز زیردس، میں اتنا بے وقوف نہیں جتنا صورت شکل سے نظر آتا ہوں۔" وہ میک آلیور سے مخاطب ہوا: "میرا خیال ہے پولیس نے ان کاغذات کی فوٹو کاپیاں اس شخص سے برآمد کر لی ہوں گی؟"

میک نے اثبات میں سر ہلایا۔ مسز زیردس اٹھ کھڑی ہوئی:

"تم جیت گئے مسٹر کالگن، اور اب میں صرف اتنی درخواست کروں گی کہ مجھے میرے دوست سے ملنے کی اجازت دی جائے۔"

کالگن نے دوسرا قہقہہ لگایا: "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اسے ابھی تک پولیس نے نہیں پکڑا۔ میک آلیور نے جو کچھ بیان کیا، وہ تو ایک چال تھی، البتہ اب ہم اس کے گھر جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ مجھے، آپ کو، اور پولیس والوں کو دیکھ کر خاصا خوش ہوگا۔ فوٹو کاپیاں اس کے گھر سے یقیناً دستیاب ہو جائیں گی۔"

رات کے نو بجے میک آلیور اور کالگن آمنے سامنے بیٹھے اس کارنامے پر تبصرہ کر رہے تھے کہ دفعتہً نائب نے کہا:

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم کہتے ہو اس مسئلے کا سارا حل لفظ ٹیکسی کے روشن حروف میں پوشیدہ تھا، آخر کیسے؟"

"تم نرے گاؤدی ہو" کالگن نے کہا۔ "ارے احمق، تم نے ٹریفک پولیس کے قواعد نہیں پڑھے؟ بلیک آؤٹ کی راتوں میں ٹیکسیوں پر لفظ "ٹیکسی" روشن کرنے کی سختی سے ممانعت ہے۔ تم نے خود ہی تو مجھے بتایا تھا کہ زیردس کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور جب وہ اس میں بیٹھا، تو ڈرائیور نے فوراً یہ لفظ بجھا دیا۔

آخر کیوں ؟ محض اس لئے کہ وہ زیردس کو اس نشان سے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا - اگر وہ بدنصیب آدمی ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے دیکھ لیتا کہ اس کی بیوی پستول لیے پچھلی سیٹ پر براجمان ہے، تو اس کی جان بچ جاتی، مگر افسوس ؛

نِکلس

کالگن کمرے میں داخل ہوا: تو مسز گالری نے مسکراتے ہوئے اُس کا استقبال کیا:

"بیٹھیے مسٹر کالگن، یہ رہا سگار کا ڈبا، شوق فرمایئے، میں آپ کے لیے شیری کا گلاس تیار کرتی ہوں۔"

کالگن نے سرسری نظروں سے مسز گالری کے سراپا کا جائزہ لیا۔ لمبا قد، مضبوط جسم، مسکراتی ہوئی نیلی آنکھیں اور خوبصورت بال۔ اپنی پُرکشش شخصیت کے باعث وہ ان عورتوں میں سے تھی جو عمر کی پچاس منزلیں طے کر لینے کے بعد بھی جوان رہتی ہیں۔ شیری کا گلاس ایک ہی گھونٹ میں ختم کرنے کے بعد کالگن نے سگار سلگایا اور کہنے لگا:

"آپ نے سو پونڈ کا چیک مجھے پیشگی بھجوا دیا، اس کا بے حد شکریہ، اب وہ کام بتایئے۔ تفصیلات سننے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا کہ یہ کام میرے بس کا ہے یا نہیں۔"

"میں آپ کی شہرت سے آگاہ ہوں مسٹر کالگن، پہلے میں نے سوچا تھا کہ یہ معاملہ سکاٹ لینڈ یارڈ کے سپرد کر دوں، لیکن وہ معاملے کو اتنا اُلجھا دیتے ہیں کہ خدا کی پناہ! پھر میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی پرائیویٹ سراغ رساں ہی یہ نازک مسئلہ حل کر سکے گا۔ انگلستان بھر میں آپ کی ٹکر کا کوئی سراغ رساں نہیں، اسی لیے یہ زحمت آپ کو دے رہی ہوں۔"

"اس حوصلہ افزائی کا شکریہ۔"

"قصہ یہ ہے مسٹر کالگن، میں ایک عجیب پریشانی میں مبتلا ہوں۔" مسز گالری نے اپنی کرسی قریب گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "چند سال پہلے میری ایک عزیز ترین سہیلی

کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ایک ہی جوان لڑکی ہے۔ ڈیانا میرٹ، ڈیانا کی ماں نے اپنی وصیت میں لڑکی کا مجھے سرپرست بنایا اور لکھا کہ جب تک لڑکی پچیس سال کی نہیں ہو جاتی، وہ بنک میں سے رقم تو نکلوا سکتی ہے، لیکن زیور نہیں نکلوا سکتی۔ تین ماہ پہلے تک ڈیانا کے تقریباً تین ہزار پونڈ بنک میں جمع تھے، لیکن اس دوران میں وہ سب روپیہ خرچ کر چکی ہے۔ چھوٹے موٹے زیوروں کے علاوہ وہ سات ہزار پونڈ کی مالیت کا ہیروں کا نکلس بھی اس کی ملکیت ہے جو چند دن پہلے تک بنک میں موجود تھا۔ ڈیانا اب چوبیس سال کی ہو چکی ہے۔ اس نے مجھ سے لڑ جھگڑ کر وہ قیمتی نکلس بھی بنک سے نکلوا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مجھے خدشہ ہے وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"دراصل میں خود کو قصوروار سمجھتی ہوں۔ میں نے اپنے ایک فرانسیسی دوست ڈی ساوت کا تعارف ڈیانا سے کرایا تھا۔ یہ شخص فرانسیسی فوج میں لیفٹیننٹ ہے، خاصا خوبصورت اور پرکشش آدمی سمجھا جاتا ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص کا چال چلن مشکوک ہے۔ وہ ڈیانا سے شادی کر لینے کا جھانسا دے کر اس کا روپیہ ہضم کرتا رہا اور اب کسی نہ کسی بہانے نکلس پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہے۔ یہ شخص پہلے بھی کئی نوجوان لڑکیوں کو اس طرح فریب دے کر ان سے رقمیں کھاتا رہا ہے۔ میں نے ڈیانا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن ڈی ساوت کا جادو اس پر ایسا چلا کہ وہ مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگی ہے۔ جب اس نے بنک سے نکلس نکلوانے کا تقاضا کیا، تو میں نے اسے نرمی سے سمجھایا کہ ڈی ساوت دھوکے باز آدمی ہے اور وہ نکلس قبضے میں کرنے کے بعد تمہیں چھوڑ کر کسی اور لڑکی کے پیچھے لگ جائے گا۔ ڈیانا یہ سن کر غصے سے لال پیلی ہو گئی۔ اس نے مجھے سینکڑوں باتیں سنائیں اور ڈی ساوت کو فرشتہ ثابت کیا۔ بہر حال میں رو دھو کر چپ ہو رہی اور نکلس بنک سے نکلوا کر اس کے حوالے کر دیا۔ مجھے ڈیانا سے محبت ہے، وہ میری سہیلی کی نشانی ہے، میں نہیں

چاہتی کہ وہ غلط راہ پر چلے۔"

مسز گالری کی آنکھیں بھر آئیں اور فرطِ جذبات سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مسٹر کالگن، آپ اس بدمعاش ڈی ساوت کی نگرانی کیجئے اور اس کے کرتوتوں کا ٹھوس ثبوت فراہم کر کے لائیے، ڈیانا کو بچانے کی یہی صورت ہے اور کچھ ایسا چکر چلائیے کہ وہ ڈیانا سے نکلس حاصل نہ کرنے پائے۔"

کالگن نے سگار ایش ٹرے میں بجھایا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا:

"بہت اچھا مسز گالری، میں پوری کوشش کرتا ہوں، ڈی ساوت سے ملنے کے بعد مس ڈیانا سے بھی ملاقات کروں گا۔ ممکن ہے میں ڈی ساوت کے بارے میں ان کے خیالات کی اصلاح کر سکوں۔"

وہ اسے دروازے تک رخصت کرنے آئی۔

٭ ٭ ٭

راہداری میں آ کر کالگن نے سگریٹ سلگایا۔ کسی انجانے خیال کے تحت وہ آپ ہی آپ مسکرایا اور جب لائیٹر جیب میں رکھ کر وہ آگے بڑھا تو اس نے فرش پر ایک چھوٹا سا لفافہ پڑا دیکھا، لفافہ بند نہیں تھا۔ کالگن نے لفافہ اٹھا لیا۔ اس میں کاغذ کے ایک پرزے پر یہ سطریں ٹائپ میں تھیں:

"ڈیئر میڈم، آپ ہی کی فرمائش پر ہم نے آپ کے پسندیدہ کپڑے اور ڈیزائن کے مطابق چار سوٹ تیار کر کے بھیجے تھے، لیکن تعجب ہے کہ آپ نے یہ سوٹ واپس کر دیئے۔ اب آپ ان کے بدلے فراک سلوانا چاہتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات ہمارے اصول و ضوابط کے خلاف ہے، لیکن ہم آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان سوٹوں کے عوض آپ کو فراک تیار کر دیں گے، لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔ تاہم اتنے عمدہ اور صحیح تراش خراش کے سوٹ واپس بھیج کر فراک تیار کرنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیا آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر سکتی ہیں؟"

پوسل اینڈ سائی
خواتین کے لیے اعلیٰ لباس تیار کرنے والے"

کالگن نے یہ خط دوبارہ پڑھا۔ اس کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں نمودار ہوئیں، پھر وہ ہنس پڑا، کاغذ کا پرزہ لفافے میں رکھا اور واپس جا کر مسز گالری کے دروازے پر لگے ہوئے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ یہ عورتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ پہلے سوٹ کا آرڈر دیتی ہیں اور جب وہ سل جاتے ہیں تو انہیں فراکوں میں تبدیل کرانا چاہتی ہیں، لیکن اب مجھے ڈی ساوت سے ملنے سے پہلے مس ڈیانا کے پاس جانا چاہیئے۔ اس نے دل میں سوچا۔

٭ ٭ ٭

پندرہ منٹ بعد وہ مس ڈیانا کے فیشن ایبل فلیٹ کے دروازے پر کھڑا گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ یہ فلیٹ مسز گالری کی قیام گاہ سے تین میل دور تھا۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور کالگن نے اپنے سامنے نوجوان لڑکی کو کھڑے پایا جس کا چہرہ افسردہ تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر تک روتی رہی ہے اور ابھی ابھی آنسو پونچھ کر آئی ہے۔

"مس ڈیانا ؟" کالگن نے سر سے فلیٹ اتارتے ہوئے پوچھا۔

"جی، فرمائیے۔"

"میرا نام کالگن ہے اور میں بد قسمتی سے پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے مسز گالری سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نکلس آپ کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انہیں خدشہ ہے کہ فرانسیسی فوجی ڈی ساوت آپ سے یہ قیمتی نکلس ہتھیانے کی فکر میں ہے۔ مسز گالری آپ کو بے حد چاہتی ہیں، وہ آپ کے نفع و نقصان کی ذمے دار ہیں۔ اگر آپ برباد ہو گئیں، تو لوگ مسز گالری کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔"

"جہنم میں جائیں مسز گالری" لڑکی نے منہ بسور کر کہا۔ "اُس بے وقوف بڑھیا کی نحوست آخر رنگ لے آئی۔ جس نکلس پر یہ جھگڑا اس نے اٹھایا، وہ کل رات چوری ہو گیا ہے۔ پانچ منٹ پہلے میں نے فون پر مسز گالری کو یہ خبر سنا دی ہے اس کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی ہوگی اور اب تم آئے ہو کہ بے چارے ڈی ساوت پر چوری کا الزام تھوپ کر اسے جیل خانے کی سیر کرا سکو۔ مسز گالری نے تمہیں سکھا پڑھا کر بھیجا ہوگا۔"

"مس ڈیانا، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم کمرے میں بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں" کالگن نے نرمی سے کہا، "یقین کیجئے، میں آپ کا دشمن ہوں نہ ڈی ساوت کا۔ میں اس پر خواہ مخواہ چوری کا الزام کیوں تھوپوں گا۔ آپ کہتی ہیں کہ نکلس گزشتہ رات چوری ہو گیا، تفصیلاً بتائیے کہ یہ کیسے ہوا، آپ کو کب پتا چلا؟"

لڑکی نے اُسے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی:

"مسٹر کالگن، آپ اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی۔ آپ کو معلوم ہے، جنگ کا زمانہ ہے۔ جرمن طیارے روزانہ رات کے وقت ہمارے شہروں پر بمباری کر رہے ہیں، بلیک آؤٹ کی وجہ سے ہر طرف تاریکی چھائی رہتی ہے۔ سائرن بجتے ہی سب لوگ پناہ گاہوں میں چلے جاتے ہیں۔ میں نے نکلس اس تصویر کے پیچھے لگے ہوئے خفیہ سیف میں رکھ دیا تھا۔ گزشتہ رات سائرن بجا، تو اس فلیٹ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی پناہ گاہ میں چلی گئی۔ دس منٹ بعد جب خطرہ ٹلنے کا اعلان ہوا، تو میں اپنے کمرے میں آئی دیکھا کہ سیف کھلا ہوا ہے اور نکلس غائب ہے۔"

"کیا آپ اپنا کمرہ اور سیف مقفل کر کے پناہ گاہ میں نہیں گئی تھیں؟"

وہ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولی:

مسٹر کالگن، مجھے اپنی بے پروائی کا اعتراف ہے۔ سائرن دن رات میں کئی دفعہ بجتا ہے۔ کوئی شخص بھی اپنے فلیٹ میں قفل لگا کر نہیں جاتا۔ کیونکہ خطرہ ٹلنے کا اعلان کرنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ گزشتہ رات بھی میں اپنا کمرہ کھلا ہی چھوڑ گئی تھی۔ سیف کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ کھلا تھا یا بند۔ ممکن ہے سائرن بجنے سے بہت پہلے میں نے کھولا ہو اور بند کرنا بھول گئی ہوں۔ بہرحال میں آپ کو پھر خبردار کیے دیتی ہوں کہ اس معاملے میں ڈی سادت کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، وہ ایسا آدمی نہیں کہ نکلس چرانے رات کے وقت جب کہ ہوائی حملہ ہو رہا ہو، میرے فلیٹ میں آئے گا۔ آپ اسے پھنسانے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"مس ڈیانا، آپ کے دوست ڈی سادت کو کوئی شخص الزام نہیں دے سکتا یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ نکلس آپ کی ملکیت تھا۔ وہ چوری ہو گیا۔ آپ خود کسی پر الزام عائد کرنے کا حق رکھتی ہیں۔ یہ میرا اور مسز گالری کا حق نہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ گزشتہ رات موسیو ڈی سادت آپ کے فلیٹ میں آئے تھے؟"

"مجھے علم نہیں، البتہ چوکیدار کا بیان ہے کہ اس نے اسے دیکھا تھا، لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ شخص ڈی سادت ہی تھا یا کوئی اور۔۔۔"

"بہرحال مجھے افسوس ہے کہ آپ کا اتنا بیش قیمت نکلس چوری ہو گیا۔۔۔ سات ہزار پونڈ خاصی بڑی رقم ہے اگر آپ کو یقین ہے کہ موسیو ڈی سادت نے یہ نکلس نہیں چرایا، تو آپ اس معاملے کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کرتیں؟"

لڑکی نے گھور کر کالگن کی طرف دیکھا اور بولی:

"مجھے پولیس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔"

"بہت اچھا، پھر مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے اب موسیو ساوت سے ملنا پڑے گا۔ مسز گالری نے مجھے اس کا پتا دے دیا ہے، مجھے اس شخص سے مل کر خوشی ہوگی۔"
وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکی کو حیران پریشان چھوڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

٭ ٭ ٭ ٭

کالگن کو امید نہیں تھی کہ لیفٹیننٹ پاول ڈی ساوت اتنا خوش رُو اور خوش اخلاق جوان ہوگا۔ خوبصورت اور چمک دار فوجی وردی میں وہ اور بھی باوقار نظر آتا تھا۔ فرانسیسی ہونے کے باوجود اسے انگریزی زبان پر عبور تھا۔ کالگن کی زبانی پورا قصہ نہایت سکون سے سننے کے بعد بولا:
"موسیو کالگن، میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مس ڈیانا کا نکلس میں نے نہیں چرایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسز گالری نے رقابت کی بنا پر مجھے اس چکر میں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔"
"رقابت؟" کالگن کے چہرے پر حیرت جھلکنے لگی۔
"جی ہاں، وہ پچاس سالہ بڑھیا مجھے اپنے ساتھ شادی پر آمادہ کرنا چاہتی تھی اور ممکن ہے میں بھی رضامند ہو جاتا، اگر مس ڈیانا سے میری ملاقات نہ ہوتی۔ مجھے مس ڈیانا کی دولت اور نکلس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اب بھی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"کیا آپ کل رات مس ڈیانا کے فلیٹ پر گئے تھے؟"
"جی نہیں، میں نہیں گیا۔"
"لیکن چوکیدار کا بیان ہے کہ اس نے آپ کو سیڑھیاں اترتے دیکھا ہے۔"
کالگن نے کہا۔ "میں نے خود اس سے پوچھ گچھ کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہوائی حملے کا سائرن بجا اور وہ بھی اس بلڈنگ میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ خندقوں میں پناہ لینے گیا، تو یکایک اسے خیال آیا کہ لفٹ سسٹم کا کرنٹ بند

کرنا بھول گیا ہے۔ کرنٹ بند کرتے کے ارادے سے وہ اُسی وقت واپس آیا، تو اس نے فوجی وردی پہنے ہوئے ایک شخص کو مس ڈیانا کے فلیٹ سے باہر راہداری میں تیزی سے گزرتے دیکھا، اندھیرے کے باعث وہ شکل تو نہ دیکھ سکا، لیکن وردی ضرور نظر آ گئی۔ اس نے سوچا موسیو ڈی سادت ہیں جو اکثر یہاں آتے جاتے رہتے ہیں اور جن کے پاس فلیٹ کی دوسری چابی بھی ہے۔"

"ڈی سادت مسکرایا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسز گالری نے میرے خلاف خوب زہر اُگلا ہے اور اب وہ جوشِ انتقام میں اندھی ہو کر مجھے بدنام کرنا چاہتی ہے۔ مسٹر کالگن، میں آپ کے انگلستان میں اجنبی ہوں۔ میں جب یہاں آیا، تو سب سے پہلے مسز گالری سے واقفیت پیدا ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں انہیں بہت پسند کرنے لگا، لیکن وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئیں۔ انہوں نے خود ہی مس ڈیانا سے میرا تعارف کرایا اور جب ہم نے ایک دوسرے کی زندگی کا ساتھی بننے کا فیصلہ کر لیا تو مسز گالری کے آگ لگ گئی اور تب یک لخت مسز گالری پر انکشاف ہوا کہ

میں تو بہت بدچلن اور آوارہ آدمی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹہلنے لگا، پھر بولا:

"میری قسمت اچھی ہے کہ گزشتہ رات میں مس ڈیانا کے فلیٹ پر نہیں گیا ورنہ چوری کے الزام میں ضرور پکڑا جاتا۔ موسیو کالگن، آپ چاہیں تو تصدیق کر سکتے ہیں کہ کل رات جب ہوائی حملے کا سائرن بجا اس وقت سے لے کر ایک گھنٹے تک میں فرانسیسی فوج کے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا۔ میری رجمنٹ کے تیس چالیس جوان اس بات کی حلفیہ گواہی دے سکتے ہیں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"آپ کے بیان پر ان حالات میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔" کالگن نے منہ لٹکا کر کہا۔ "اچھا، اجازت دیجیے، آپ کا مزید وقت ضائع نہیں کروں گا۔"

٭ ٭ ٭

کالگن، برکلے سکوئر میں ٹیکسی سے اترا، کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہو کر لفٹ میں سوار ہوا اور چوتھی منزل پہ اپنے دفتر میں پہنچ گیا۔ آرام کرسی پہ لیٹ کر اس نے سگریٹ سلگایا، آنکھیں بند کیں اور اس پُراسرار ڈرامے کے کرداروں پہ باری باری غور کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جو پھیلتے پھیلتے ہنسی میں تبدیل ہو گئی، وہ آپ ہی آپ ہنستا رہا، پھر اس نے مسز گالری کا دیا ہوا سو پونڈ کا چیک جیب سے نکالا اور تپائی پہ رکھ کر سوچنے لگا۔ مسز گالری واقعی فیاض خاتون ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی موکل نے پیشگی سو پونڈ دیے ہوں۔ یکایک اس نے دائیں ہاتھ رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھایا، نمبر ڈائل کیے، چند ثانیے بعد اس کے کانوں میں مسز گالری کی شیریں آواز آئی

کالگن نے کہا:

"مسز گالری، میں ہوں آپ کا خادم کالگن.... مس ڈیانا نے آپ کو فون پر بتا دیا ہوگا کہ گزشتہ رات ان کا نکلس چوری ہو گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ حرکت ڈی سادت کی ہے، لیکن تحقیق کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ جس وقت نکلس چُرایا جا رہا تھا، ڈی سادت اپنے ہیڈ کوارٹر میں حاضر تھا...."

"اچھا"، مسز گالری نے انتہائی حیرت کا اظہار کیا۔ "تعجب ہے.... اب آپ کا اگلا قدم کیا ہوگا مسٹر کالگن، وہ شخص بہت چالاک ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں مادام" کالگن نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا، "لیکن وہ واقعی سچ بول رہا ہے۔ میں نے اس کی رجمنٹ کے تقریباً تیس جوانوں اور افسروں سے الگ الگ پوچھا اور سب نے اقرار کیا کہ وہ کل رات ہوائی حملے کے وقت ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا۔"

"پھر نکلس کون لے گیا؟" مسز گالری نے کہا، "مسٹر کالگن، آپ چور کا پتا لگائیے اور اخراجات کی پروا نہ کیجیے۔"

"میں پوری کوشش کر رہا ہوں مادام، گھبرائیے نہیں، اچھا، میں کسی وقت

آپ سے ملوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا، پھر اس نے انگڑائی لی، کرسی سے اٹھا، لفٹ میں سوار ہو کر نیچے اترا، ٹیکسی پکڑی اور ڈی ساوت کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ خوش رُو لیفٹیننٹ اپنی چمکیلی وردی پہنے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آئیے موسیو کالگن، خیر تو ہے؟"

"ارے صاحب، میں سخت نادم ہوں کہ آپ کے متعلق خواہ مخواہ دل میں شبہ کرتا رہا۔ میں نے آپ کی رجمنٹ میں پوچھ گچھ کی اور سب نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ سچ جانیئے میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے تھوڑی دیر ہوئی مسز گالری سے بھی فون پر کہا کہ موسیو ڈی ساوت بے قصور ہیں۔"

"آہ، آپ کا بے حد شکریہ موسیو کالگن، آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا آپ نے مجھے بڑی رسوائی سے بچا لیا۔"

کالگن نے جیب سے فونٹین پن نکالا، مسکرا کر لیفٹیننٹ کے قریب گیا اور بولا:

"میں مسز گالری سے ملنے جا رہا ہوں، میرا خیال ہے، وہ خود بھی آپ سے ندامت کا اظہار کریں گی۔ کیا میں آپ کا فون نمبر نوٹ کر سکتا ہوں؟"

"ضرور ضرور۔" اس نے اپنا فون نمبر بتایا۔ کالگن نوٹ بک پر لکھنے لگا، لیکن پن میں غالباً روشنائی نہ تھی۔ اس نے بے خیالی میں اُسے زور سے جھٹکا۔ روشنائی کے قطرے لیفٹیننٹ کی دُھلی ہُوئی وردی کو داغ دار کر گئے۔

"اوہ! معاف کیجئے، مجھ سے کیا حماقت ہو گئی۔" کالگن کے چہرے پر ندامت کے باعث کرب کے آثار پیدا ہوئے۔ "آپ کی وردی خراب ہو گئی۔"

ڈی ساوت نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔ "کوئی بات نہیں، خوش قسمتی سے میرے پاس ایک اور وردی موجود ہے۔ وہ پہن لوں گا۔"

کالگن نے مؤدبانہ انداز میں سر جھکایا اور دروازے کی طرف مڑا۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک ساڑھے سات بجے گالری کے فلیٹ پر کھڑا تھا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا، تو اس نے ڈی سادت کو ایک کوچ پر چپ چاپ بیٹھے پایا۔ مسز گالری آتش دان کے پاس کھڑی سگریٹ پی رہی تھی۔ کالگن کو دیکھتے ہی اس کی بھویں تن گیئں اور اس نے کہا۔

"مسٹر کالگن، آپ نے ڈی سادت سے فون پر کہا ہے کہ وہ میرے گھر آئے تھے میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ آخر آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔"

کالگن مسکرایا: "مادام، اس بحث کو اب جانے دیجیئے اور سات ہزار پونڈ مالیت کا وہ نکلس چپکے سے میرے حوالے کر دیجیئے جو آپ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس ہے۔"

مسز گالری کے ہونٹوں میں دبا ہوا سگریٹ نکل کر فرش پر گر پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ڈی سادت اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور کالگن کو گھورنے لگا۔ اس نے ابھی تک وہی وردی پہن رکھی تھی جس پر روشنائی کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جایئے موسیو" کالگن نے سکون سے کہا۔ "مزید ایکٹنگ کی ضرورت نہیں۔ اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو چکا ہے۔ مجھے آپ لوگوں کے شاندار پلاٹ کی داد دینی پڑتی ہے۔ غالباً یہ مسز گالری کے زرخیز دماغ کا شاہکار ہوگا۔"

وہ سگریٹ سلگانے کے لیے رکا۔ مسز گالری اور ڈی سادت پتھر کے بُت بنے اپنی جگہ کھڑے تھے۔

"مسز گالری، آج صبح جب میں آپ سے مل کر واپس جا رہا تھا، تو راہداری میں ایک لفافہ پڑا ہوا ملا۔ میں نے اس کے اندر رکھا ہوا خط نکال کر پڑھا۔ اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ یہ خط آپ کے درزیوں نے آپ کے نام لکھا تھا جس میں اس بات پر حیرت ظاہر کی گئی تھی کہ آپ نے پہلے چار سوٹ سلوائے اور پھر ان کے بدلے میں فراک سلوانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں خود یہ پڑھ کر بڑا حیران ہوا پھر جب میں مس ڈیانا سے ملا، تو اس نے بتایا کہ رات کو نکلس چوری ہو گیا اور

چوری بھی اُس وقت ہوا جب ہر طرف اندھیرا تھا اور جرمنوں کے جہاز آسمان پر گرج رہے تھے۔ اُس وقت چوکیدار ایک شخص کو دیکھتا ہے جو فوجی وردی پہنے مس ڈیانا کے کمرے سے باہر آ رہا ہے، وہ حسبِ معمول سمجھتا ہے کہ یہ موسیو ڈی سادات ہیں جو اکثر یہاں آتے رہتے ہیں اور جن کے پاس فلیٹ کی چابی بھی موجود ہے۔"

"یہ بیہودہ بکواس کرنے سے آخر مقصد کیا ہے تمہارا؟" مسز گاری چلّا اٹھی

"صبر کیجئے مادام، ابھی سب کچھ سامنے آجاتا ہے۔" کالگن نے ہنس کر کہا۔ "آپ نے دراصل گذشتہ رات ڈی سادات کی دی ہوئی دوسری وردی پہنی اور بلیک آؤٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے فلیٹ تک جا پہنچیں۔ ڈی سادات نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے پاس دو وردیاں ہیں، لیکن وہ ابھی تک وہی وردی پہنے ہوئے ہے جس پر مَیں نے جان بوجھ کر روشنائی چھڑک دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ دوسری وردی کہاں ہے۔ وہ اس فلیٹ میں ہے مادام، ابھی تلاشی لی تو برآمد ہو جائے گی۔ بہر حال آپ کی خوش قسمتی سے تھوڑی دیر بعد ہی ہوائی حملے کے سائرن بول اٹھے۔ اس بلڈنگ کے سب لوگ نچلی منزل پر پناہ گاہوں میں اُتر گئے۔ آپ اطمینان سے مس ڈیانا کے فلیٹ میں داخل ہو گئیں۔ سیف کھولا جس کی دوسری چابی یقیناً آپ نے پہلے سے بنوا رکھی تھی، نکلس نکال کر قبضے میں کیا اور جب باہر نکلیں تو چوکیدار نے آپ کو دیکھ کر یہی خیال کیا کہ موسیو ڈی سادات ہیں۔ اس دوران میں اصلی ڈی سادات نے اپنے بچاؤ کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ وہ اُس وقت اپنی رجمنٹ کے جوانوں کے ساتھ خوش گپیاں کر رہا تھا کہ پولیس تک نکلس کی چوری کا معاملہ پہنچے تو وہ موقعۂ واردات سے اپنی غیر حاضری کا واضح ثبوت پیش کر سکے۔"

ڈی سادات کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر پڑا۔ مسز گاری کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

"مجھے درزیوں کی طرف سے آپ کے نام آیا ہوا خط پڑھتے ہی شک ہو گیا تھا کہ وہاں میں کچھ کالا کالا ہے۔ مسز گالری، آپ دراصل مدت سے اپنی مرحوم سہیلی کی نوجوان، لیکن مالدار لڑکی کی دولت پر دانت رکھے ہوئے ہیں، آپ نے براہ راست روپیہ ہضم کرنے کے بجائے مختلف اوقات میں مختلف ہتھکنڈوں سے کام لیا ہے، یہ میں سب تحقیق کر چکا ہوں۔ جب آپ نے دیکھا کہ بنک میں روپیہ ختم ہو چکا ہے اور سات ہزار پونڈ کی مالیت کا ہیروں کا نکلس باقی ہے، تو آپ نے اسے ہتھیانے کی انوکھی تدبیر سوچی اور اس سازش میں اپنے دوست ڈی سادت کو شریک کیا۔ اس اُمید پر کہ ہار آپ کے قبضے میں آ جائے گا۔ آپ نے نہایت قیمتی اور اعلیٰ کپڑے کے چار سوٹ سلوانے کا آرڈر بھی دے دیا تھا، لیکن ڈی سادت مقررہ وقت پر نکلس حاصل کرنے میں ناکام رہا اور درزیوں نے سوٹ تیار ہو جانے کے بعد رقم کا مطالبہ شروع کر دیا، آپ قلاش تھیں، آپ نے مزید وقت حاصل کرنے کے لیے یہی سوچا کہ ان سوٹوں کے بدلے فراک سلوائے جائیں تاکہ ایک دو مہینے اور گزر جائیں اور نکلس قبضے میں کر کے اسے فروخت کرنے کا انتظام بھی ہو جائے۔ آپ جانتی تھیں، مس ڈیانا، ڈی سادت سے محبت کرتی ہے اور اول تو یہ معاملہ وہ کبھی پولیس تک نہیں لے جائے گی اور اگر لے بھی گئی تو ڈی سادت اپنی بے گناہی کا ثبوت دے کر صاف بچ جائے گا اور آپ بھی بری الذمہ رہیں گی۔ لوگ مس ڈیانا پر الزام دھریں گے کہ اس نے اپنی سرپرست سے لڑ جھگڑ کر نکلس حاصل کیا اور اسے گنوا دیا۔ اسے کہتے ہیں ایک پنتھ دو کاج۔ لائیے، اب وہ نکلس میرے حوالے کیجئے تاکہ جس کا مال ہے اسے پہنچا دوں، ورنہ . . . . ."

اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی مسز گالری نے میز کی دراز کھولی، جگ مگ جگ مگ کرتا ہیروں کا نکلس نکالا اور کالگن کی طرف اُچھال دیا۔

"شکریہ مادام، بہت بہت شکریہ۔" کالگن نے کہا "اور یہ لیجئے، سو پونڈ

کا اپنا چیک جو کیش نہیں ہو سکا۔" اس نے چیک ایک طرف پھینکا اور سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

مجرم

ہرکیول پوئرو جب اپنے خوبصورت اور سجے ہوئے آفس میں داخل ہوا تو مس لیمن نے حسب معمول مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"کہیئے مس لیمن، کوئی خاص بات ؟"

"فی الحال تو خاص بات نہیں۔" مس لیمن نے اپنے حسین دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "البتہ آج صبح کی ڈاک میں ایک خط ایسا ضرور آیا ہے جس سے شاید آپ کو کچھ دلچسپی ہو۔ یہ خط میں نے آپ کی میز پر کاغذوں کے اوپر رکھ دیا ہے۔"

"بہت خوب۔ بھلا اس خط کا مضمون کیا ہے ؟"

"کوئی صاحب سر جوزف ہوگن ہیں۔ ان کی بیوی کا پالتو کتّا کھو گیا ہے اور وہ اسے تلاش کرنے کے لیے آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

ہرکیول پوئرو نے حیرت سے اپنی سیکرٹری مس لیمن کی طرف دیکھا۔ وہ بے نیازی سے سر جھکائے مسلسل ٹائپ کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی پوئرو کی طرف نہ دیکھا کہ اس ایک معمولی جملے سے اس پر کیا بیت گئی ہے۔ وہ زیرِ لب بار بار کہہ رہا تھا:

"پالتو کتّا کھو گیا ہے . . . . پالتو کتّا کھو گیا ہے . . . ."

پھر وہ اپنی لمبی چوڑی میز کے قریب گیا۔ دائیں ہاتھ پر کاغذوں اور خطوں کا ایک ڈھیر ترتیب سے رکھا تھا۔ پوئرو نے ہاتھ بڑھا کر سب سے اُوپر رکھا ہوا خط اٹھا لیا۔ سرسری سی نظر ڈالتے ہی معلوم ہو گیا کہ مس لیمن نے جو کچھ کہا تھا، اس میں مطلق مبالغہ نہ تھا۔ سر جوزف ہوگن نے لکھا تھا:

"مسٹر ہرکیول پوئرو! امید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ میں نے کسی سے سنا ہے کہ آپ اچھے اور ماہر فن سراغ رساں ہیں۔ میری بیوی کا چھوٹا سا پالتو کُتا گم ہوگیا ہے۔ براہ کرم اسے تلاش کردیجئے، آپ کی فیس ادا کردی جائے گی۔ آپ درج ذیل پتے پر مجھ سے ملاقات کرسکتے ہیں۔ تشریف لانے سے پیشتر فون پر مطلع کر دیجئے گا۔

آپ کا صادق

سر جوزف ہوگن"

خط پڑھتے ہوئے پوئرو کے چہرے پر ناگواری اور غصے کے ملے جلے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے کئی بار ہونٹ بھینچے اور مس لیمن کی طرف دیکھا جو اپنے باس کی حالت سے بے خبر مسلسل ٹائپ کیے جارہی تھی۔

لوگ اب اپنے گم شدہ کُتّے بھی مجھ سے تلاش کروانے لگے ہیں۔ لعنت ہے ایسے کام پر۔ ہرکیول پوئرو ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے دَور کا عظیم سراغ رساں ۔ ۔ ۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک ۔ ۔ ۔ جس نے قتل، ڈاکے، راہزنی اور چوری کی بے شمار وارداتوں کا سراغ لگایا۔ سکاٹ لینڈ یارڈ اور انٹرپول والے جس کے ہمیشہ ممنون احسان رہے ہیں۔ افسوس ۔ ۔ ۔ ۔ صد افسوس کہ اب وہ معمولی نسل کے کُتّے ڈھونڈنے کا کام کرے گا۔

خیالات کی ایک تیز رو اس کے ذہن میں در آئی۔ وہ کرسی پہ بیٹھ گیا اور اس خط کو گھورتا رہا جس پر چند سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ بے کار ۔ ۔ ۔ فضول ۔ ۔ ۔ بے ہودہ ۔ ۔ ۔ وقت ضائع کرنے کے سوا اور اس میں کیا دھرا ہے ۔ ۔ ۔ مجھے انکار کردینا چاہیئے ۔ ۔ ۔ یہ کام میری شان کے شایاں نہیں ۔ ۔ ۔

ایک مرتبہ پھر اس نے نہایت احتیاط اور غور سے خط پڑھا۔ اب اس کی چھٹی حس بیدار ہو رہی تھی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ معاملہ دل چسپ ثابت ہو ۔ ۔ ۔ آخر اس شخص جوزف ہوگن سے ایک بار مل لینے میں کیا ہرج ہے۔

"مس لیمن، مہربانی فرما کر مسٹر جوزف کو فون کرکے ملاقات کا وقت لے لیجئے" پوئرو نے بلند آواز سے کہا۔

(۲)

اگلے روز ہرکیول پوئرد مقررہ وقت پر سر جوزف ہوگن کے آفس میں داخل ہو رہا تھا۔ سر جوزف اُدھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ پھُولا ہوا سرخ چہرہ، گول گول گھومتی ہوئی آنکھیں۔ بھدّی ناک اور پتلے پتلے ہونٹ یوں بھینچے ہوئے تھے جیسے وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی شکل دیکھتے ہوئے پوئرو ایک لمحے کے لیے چونک پڑا۔ کوئی بھولی بسری یاد اس کے ذہن میں انگڑائیاں لینے لگی۔ میں نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔۔۔۔ مگر کہاں۔۔۔۔ کس جگہ۔۔۔ شاید اپنے وطن بلجیم میں۔۔۔۔۔

"تشریف رکھیے جناب۔" سر جوزف نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پوئرد خاموشی سے بیٹھ گیا۔ سر جوزف نے سگار کا ڈبا آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "شوق فرمائیے مسٹر پوئرو۔۔۔۔" پھر اس نے خود ایک سگار نکال کر سلگایا اور کہنے لگا۔

"معاف کیجئے، میں نے ایک معمولی بات کے باعث آپ کو زحمت دی ہے میں آپ کی شہرت سے خوب واقف ہوں اور ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یہ بے ہودہ کام آپ سے لوں۔۔۔۔ مگر حالات نے مجبور کر دیا ہے۔ بہر حال میں روپے پیسے والا آدمی ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھیئے گا کہ معمولی کام کا معاوضہ بھی معمولی ہوگا۔"

"میں آپ کی اس مہربانی اور عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" پوئرد نے مسکرا کر کہا۔ "بہتر ہوگا کہ آپ معاملے کی تفصیلات مجھے بتائیں، پھر میں عرض کر سکوں گا کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ جب آپ کا خط مجھے ملا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ نہایت غیر اہم کیس ہے۔

"جی کیا فرمایا آپ نے؟ نہایت اہم کیس ہے؟" سر جوزف نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔ ہرکوئل پوئرد نے نہایت بیزاری سے سر جوزف کی جانب دیکھا۔ پھر اُس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسا کہ کس غبی آدمی سے پالا پڑا ہے۔ خدا

غارت کرے۔ کم بخت خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے پر تُلا ہوا ہے۔

"میں نے عرض کیا کہ نہایت غیر اہم کیس ہے۔" پوئرو نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی نے مجھ سے گم شدہ پالتو کُتّے کو ڈھونڈنے کی درخواست کی ہو۔"

"بلاشبہ آپ کا ارشاد صحیح ہے۔" سر جوزف نے کہا۔ "مگر آپ ان عورتوں کو نہیں جانتے یہ اپنے پالتو کُتّوں کو اولاد سے زیادہ چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں ۔۔۔ لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ کُتّا تو کھویا گیا آپ کی بیوی کا ۔ ۔ ۔ اور مجھے طلب کیا ہے آپ نے ۔ ۔ ۔ حالانکہ اصولاً آپ کی بیوی کو مجھے خط لکھنا چاہیئے تھا۔ کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں؟" سر جوزف نے چند لمحوں تک حیران نظروں سے پوئرو کی طرف دیکھا۔ پھر دھیمے لہجے میں کہا۔

"اب مجھے صحیح اندازہ ہوا ہے کہ آپ نہایت ذہین آدمی ہیں۔ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔"

"خیر خیر ۔ ۔ ۔ اب فرمائیے کہ آپ کی بیوی کا پالتو کُتّا کب کھویا گیا؟"

"آج سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی بیوی کُتّے کی جدائی میں سخت ہلکان ہو رہی ہوں گی۔"

"جی نہیں ۔ ۔ ۔ کُتّا واپس آ چکا ہے۔" سر جوزف نے مسکرا کر جواب دیا۔

"واپس آ چکا ہے۔" پوئرو کی بھویں تن گئیں۔ اس نے دانت بھینچ کر سخت لہجے میں کہا۔ "تب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے کیوں پریشان کیا گیا؟"

پوئرو کے اس لہجے پر سر جوزف کا رنگ تپتے ہوئے تانبے کی طرح سرخ ہو گیا۔ اس نے سگار چباتے ہوئے کہا:

"آپ ناراض نہ ہوں۔ میں ابھی سب کچھ بتاتا ہوں۔ کُتّا ایک ہفتہ پہلے

گم ہوا تھا۔ میری بیوی کی خادمہ روزانہ سہ پہر کے وقت اسے ٹہلانے کے لیے کینسگٹن باغ میں لے جایا کرتی تھی۔ کتّا وہیں سے غائب ہوا۔ اگلے روز میری بیوی کے نام ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اگر دو سو پونڈ کی رقم خط بھیجنے والے کو فلاں پتے پر ارسال کردی جائے تو کتّا واپس بھیج دیا جائے گا۔ میں نے سنا تو میرا خون کھول اُٹھا۔ بھلا اس چھوٹے سے حقیر کتّے کے لیے دو سو پونڈ کی رقم کون ادا کرے گا مگر میری نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ خط کی بات بھی مجھے اُس نے بعد میں بتائی۔ وہ دو سو پونڈ کی رقم اُس بدمعاش کو بھیج چکی تھی اور یوں کتّا واپس آگیا۔"

"کتّا کس طرح واپس آیا — کیا کوئی شخص اسے لے کر آیا تھا؟"

"جس روز رقم بھیجی گئی، اُسی روز شام کے وقت ہمارے گھر کی گھنٹی بجی۔ .... خادمہ نے دروازہ کھولا تو کتا سیڑھیوں پر بیٹھا ہانپ رہا تھا۔ خادمہ نے اِدھر اُدھر دیکھا، مگر وہاں کوئی شخص نظر نہ آیا۔"

"خوب... خوب..." پوئرو نے زیرِ لب کہا۔ "اچھا، یہ تو بتائیے کہ دو سو پونڈ کی رقم بڑے نوٹوں کی شکل میں ادا کی گئی یا چھوٹے نوٹ بھیجے گئے؟"

"آپ نے اچھا سوال کیا ہے مسٹر پوئرو — دراصل خط میں یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ دو سو پونڈ کی رقم ایک ایک پونڈ کے نوٹوں کی صورت میں روانہ کی جائے۔ قصہ مختصر جب مجھے اس تمام خرافات کا علم ہوا تو میرے غیظ کی انتہا نہ رہی۔ مجھے دو سو پونڈ کے ضائع ہونے کا اتنا رنج نہ تھا جتنا اس بات کا ہوا کہ میری بیوی ایسی احمق بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے میں اس قصے میں نہ پڑتا — لیکن اگلے ہی روز جب کلب میں ایک پرانے دوست سیمپٹل سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے ایسی ہی واردات کا ذکر کیا۔"

"اچھا؟" پوئرو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "آپ کے دوست نے کیا بتایا؟"

"مسٹر پوئرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدمعاشوں کا کوئی گروہ ہے جو ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ میرے گھر میں جو واقعہ پیش آیا، بالکل ویسا ہی واقعہ مسٹر سیموئل کے ہاں ہوا۔ فرق صرف یہ رہا کہ میری بیوی سے بدمعاشوں نے دو سو پونڈ طلب کئے اور سیموئل کی بیوی سے تین سو۔ جب میں نے یہ قصہ سنا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ کرنا چاہیئے۔ یہ ہے اصل وجہ آپ کو زحمت دینے کی۔"

"لیکن جناب والا کیا یہ مناسب نہ تھا کہ آپ مجھے طلب کرنے کی بجائے اس معاملے کو سلجھانے کے لیے پولیس کو زحمت دیتے؟ یقیناً اس طرح آپ مزید اخراجات سے بھی بچ جاتے؟"

سر جوزف نے اس سوال پر چند لمحے تک اپنی ناک مسلی، پھر مسکرا کر کہا:

"مسٹر پوئرو، کیا آپ شادی شدہ ہیں؟"

"افسوس کہ میں اس نعمت سے ابھی تک محروم ہوں۔"

"آہ، تب آپ کو سمجھانا دشوار ہوگا — واقعہ ہے کہ یہ بیویاں خدا کی عجب مخلوق ہیں۔ میں آج تک اپنی بیوی کو نہیں سمجھ سکا کہ وہ کس ذہن کی مالک ہے۔ میں نے خود جب اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اس واردات کی اطلاع پولیس کو دینی چاہیئے تو یقین کیجیے اس عورت پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی وہ بار بار یہی کہتی تھی کہ اگر پولیس نے اس معاملے میں مداخلت کی تو سان تنگ کی جان پر بن جائے گی۔ تب میں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ مسٹر پوئرو نہایت قابل اور مشہور سراغ رساں ہیں۔ وہ ان بدمعاشوں کا کھوج لگائیں گے۔ میری بیوی اس پر بھی آسانی سے راضی نہ ہوئی۔ اس کے دل پر مجرموں کی اتنی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے کہ بیان سے باہر۔ بہرحال میں نے اس سے کہہ دیا کہ تم جو چاہے کرو، میں اب یہ معاملہ مسٹر پوئرو کے حوالے کر کے رہوں گا۔"

"خوب خوب"۔ پوئرو نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "غالباً سان تنگ آپ کی

بیوی کے پالتو کتے کا نام ہے ؟"

سر جوزف نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پوئرو چند لمحے گہری سوچ میں گم رہا پھر کہنے لگا۔

"یہ نہایت دلچسپ، مگر پیچیدہ معاملہ ہے سر جوزف میں اسے حل کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن یہ ضروری ہے کہ اب میں آپ کی بیوی سے ملوں اور ان کو اطمینان دلاؤں کہ وہ سان تنگ کے بارے میں مزید پریشان نہ ہوں۔ ان کے کتے کا مستقبل بہرحال محفوظ ہے۔"

سر جوزف نے پھر گردن ہلائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئیے، میں آپ کو ابھی اپنی بیوی سے ملا لاتا ہوں۔"

۳

نہایت عمدہ طریق پر سجے سجائے وسیع ڈرائنگ روم میں دو عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ سر جوزف اور ہرکیول پوئرو جوں ہی کمرے میں داخل ہوئے ایک جانب سے چھوٹے قد کا گھنے بالوں والا کتا دوڑتا ہوا آیا اور پوئرو کے قریب کھڑا ہو کر زور زور سے بھونکنے لگا۔

"سان... سان... ادھر آؤ... چلو ہٹو وہاں سے... مس کارنیبی اسے اٹھا کر یہاں سے لے جاؤ" ایک عورت نے چلا کر کہا۔ دوسری عورت فوراً اٹھ کر آئی اور جوش میں بھرے ہوئے کتے کو بغل میں دبا کر باہر چلی گئی۔

"کتا تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے۔" پوئرو نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں، آپ نے خوب پہچانا" عورت نے خوش ہو کر کہا۔ "بے حد نڈر اور بہادر کتا ہے۔ یہ نسل خاصی کمیاب ہے۔"

سر جوزف نے جلدی سے ہرکیول پوئرو کا تعارف اپنی بیوی سے کرایا، پھر کہنے لگا:

"مسٹر پوئرو۔ آپ یہاں اطمینان سے بیٹھیے اور میری بیوی سے جو پوچھنا ہے پوچھیے۔ میں اب اجازت چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ اب پوئرو نے گہری نظر سے لیڈی جوزف ہوگن کا جائزہ لیا۔ یہ نہایت موٹی تازی اور پست قامت عورت تھی۔ سب سے نمایاں اس کے گہرے سرخ رنگ کے بال تھے۔ اتنے میں دوسری عورت مس کارنیبی بھی کمرے میں آ گئی اس کے اور لیڈی جوزف کے حلیے اور قد و قامت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ پوئرو نے فوراً گفتگو کا آغاز کر دیا۔

"لیڈی ہوگن، میں آپ کی زبان سے اس واردات کی تمام تفصیلات جاننا چاہتا ہوں۔"

لیڈی ہوگن کا چہرہ یک لخت سرخ ہو گیا۔ شاید شرم کی وجہ سے — اس نے رُک رُک کر کہا "میں آپ کو بڑی خوشی سے سب کچھ بتانے کو تیار ہوں۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ یہ نہایت بھیانک واردات تھی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ میرا کُتا نہایت زود حس ہے۔ بالکل بچوں کی طرح، اور مجھے اس سے دیوانگی کی حد تک پیار ہے اور وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

اس موقعے پر مس کارنیبی نے زبان کھولی اور ہکلاتے ہوئے بولی۔

"مسٹر پوئرو، میری بے وقوفی کے باعث یہ سب کچھ ہوا۔۔۔ میں اس روز معمول کے مطابق سانگ کو لے کر باغ میں گئی تھی۔ کُتا میرے آگے آگے دوڑ رہا تھا اس کی لمبی پتلی زنجیر میرے ہاتھ میں تھی۔ وہ کچھ زیادہ دُور نہیں جا سکتا تھا۔ جب میں واپس آنے لگی تو دیکھا کہ ایک بچہ گاڑی میں نہایت پیارا بچہ بیٹھا ہنستا ہے دا مجھے دیکھ کر ہنسا۔ مجھے چھوٹے خوبصورت بچوں سے بے حد پیار ہے۔ اس کی آیا قریب ہی کھڑی تھی۔ میں اس سے باتوں میں لگ گئی اور بچے کو پیار کرنے لگی —!

مجھے معلوم ہوا کہ بچّے کی عمر ڈیڑھ سال کی ہے، مگر اس کی صحت اتنی اچھی تھی کہ وہ دو ڈھائی سال کا نظر آتا تھا۔ خیر، ایک دو منٹ آیا سے باتیں کر کے جب میں چلنے لگی تو پتہ چلا کہ سان تنگ غائب ہے۔ زنجیر میرے ہاتھ میں رہی اور کوئی سان تنگ کو اٹھا کر لے گیا۔ میں نے بعد میں دیکھا تو زنجیر اُس جگہ سے کٹی ہوئی تھی جہاں وہ پٹے سے بندھی رہتی ہے۔"

"مس کارنیبی، اگر تم اپنے فرائض کی طرف دیانت داری سے توجّہ دیتیں تو کسی کو یہ حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔" لیڈی ہوگن نے سخت لہجے میں کہا اور یہ سنتے ہی خادمہ آنسو بہانے اور سسکیاں لینے لگی۔ پوئرو نے بیزاری سے کہا:

"براہِ کرم یہ رونا ملتوی کیجیے اور بتائیے کہ پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا ہوتا؟" مس کارنیبی نے مسلسل ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے باغ کے چپّے چپّے پر سانگ تنگ کو ڈھونڈا، آوازیں دیں، حتّٰی کہ چوکیدار سے بھی پوچھا، مگر کسی نے کچھ نہ بتایا، چوکیدار کہنے لگا کہ اس قسم کے تو بہت سے کتّے باغ میں آیا کرتے ہیں۔ پھر میں ۔ ۔ ۔ میں گھر واپس آ گئی۔ ۔ ۔ ۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پوئرو نے پوچھا:

"اور پھر آپ کے پاس ایک خط آیا؟"

"جی ہاں۔ اگلے روز صبح کی ڈاک میں یہ منحوس خط ملا۔" لیڈی ہوگن نے جواب دیا۔ "اس میں لکھا تھا کہ اگر آپ اپنے کُتّے کو صحیح سلامت دوبارہ دیکھنے کی خواہش مند ہوں تو دو سو پونڈ کی رقم ایک ایک پونڈ کے نوٹوں کی شکل میں ایک لفافے کے اندر بند کر کے عام ڈاک میں کیپٹن کرٹس کے نام ۳۸ بلومز بری روڈ سکوئر کے پتے پر بھیج دیں۔ اگر آپ نے نوٹوں پر کسی قسم کا خفیہ نشان لگایا یا پولیس کو اطلاع دی تو پھر یاد رکھیے کہ ہم سان تنگ کے دونوں کان اور دُم کاٹ کر آپ کو ارسال کر دیں گے۔ ۔ ۔ ۔"

"خدا رحم کرے ۔ ۔ ۔ ۔ آج کل لوگ کس قدر سنگ دل ہو گئے ہیں۔" مس کارنیبی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

لیڈی ہوگن نے اپنی خادمہ کی اس کیفیت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے بات جاری رکھی :

"خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ نے رقم فوراً بھجوا دی تو آج ہی شام کو آپ کا کتا زندہ سلامت گھر پہنچا دیا جائے گا۔ اور کتے کے واپس پہنچ جانے کے بعد بھی میں نے پولیس کو خبر کی تو ہم سان تنگ کو دوبارہ اغوا کر لیں گے اور پھر اس کا جو حشر کریں گے اسے دیکھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔"

"اُف .... اُف ..... مجھے تو اب بھی خوف آتا ہے .... مسٹر پوئرو کا تعلق پولیس سے نہیں ہے .... پھر بھی ....."

مس کارنیبی نے آنسو بہاتے ہوئے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس کا مفہوم پوئرو نے بخوبی سمجھ لیا۔

"یہ حالات ہیں مسٹر پوئرو جو میں نے صحیح صحیح بیان کیے۔ اب ظاہر ہے یہ پیارے کتے کی سلامتی کا مسئلہ ہے۔ آپ کو خاصا محتاط ہو کر اس کام میں ہاتھ ڈالنا چاہیئے۔" لیڈی ہوگن نے کہا۔

"لیڈی ہوگن، آپ قطعی اطمینان رکھیے۔ میری کارروائیاں نہایت خاموشی سے سرانجام پاتی ہیں۔ اب میں آپ کو کامل یقین دلا سکتا ہوں کہ سان تنگ کی زندگی بالکل محفوظ رہے گی۔ اسے میری جانب سے ایک گارنٹی سمجھیئے۔"

دونوں عورتوں پر پوئرو کے ان الفاظ کا گہرا اثر ہوا۔ مس کارنیبی کی سسکیاں تھم گئیں اور لیڈی ہوگن کے چہرے پر پھیلے ہوئے پریشانی کے آثار مٹ گئے۔

"مادام، کیا آپ مجھے وہ خط دکھا سکتی ہیں ؟"

لیڈی ہوگن نے نفی میں گردن ہلائی۔

"افسوس کہ وہ خط میرے پاس نہیں۔ خط میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ جب میں رقم ارسال کروں تو اس کے ساتھ یہ خط بھی واپس کر دوں۔"

"اور آپ نے اس ہدایت پر عمل کیا ؟"

"جی ہاں۔"

"افسوس۔۔۔۔ افسوس۔۔۔۔" پوئرو نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"مگر جناب، میرے پاس کُتّے کی زنجیر اور وہ کٹا ہوا پٹہ محفوظ ہے۔ اگر آپ کہیں تو دکھاؤں؟" مس کارنیبی نے جلدی سے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور دکھائیے۔"

یہ سنتے ہی خادمہ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ پوئرو نے موقع پا کر لیڈی ہوگن سے کہا۔

"مس کارنیبی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

لیڈی ہوگن اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے فوراً کہا۔

"مسٹر پوئرو، میرا خیال ہے کہ یہ عورت بالکل بے قصور ہے۔ بے وقوف ضرور ہے، مگر دیانت دار ہے۔ میرے پاس اب تک جتنی عورتیں رہی ہیں، سب کی سب بڑھ چڑھ کر بے وقوف تھیں۔ کارنیبی کو اس کُتّے سان تنگ سے بڑی محبت ہے اس کے یوں گم ہونے پر وہ بے حد مغموم اور پریشان تھی۔ یہ خادمائیں دوسروں کے بچوں پر یوں ہی فدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ بڑی بُری عادت ہے۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ کارنیبی کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔"

"یہ عورت کتنے عرصے سے آپ کے پاس ہے؟"

"اسے یہاں آئے ایک سال ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے یہ لیڈی ہارٹنگ فیلڈ کے پاس تھی۔ وہاں اس نے دس سال گزارے اور جب لیڈی ہارٹنگ کا انتقال ہو گیا تو یہ اپنی بہن کے پاس رہنے لگی۔ وہ بے چاری اپاہج تھی۔ پھر میرے ہاں چلی آئی۔ میں نے اس کے بارے میں خاصی چھان بین کی تھی اور سب نے اس کی تعریفیں کیں۔ بے وقوفی کے علاوہ اس میں اور کوئی خرابی نہیں ہے۔"

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ مس کارنیبی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے پوئرو کو زنجیر اور پٹا دکھایا۔ پوئرو نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا اور کہا:

" بلاشبہ اسے یہاں سے کاٹا گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ چیز یہاں اپنے پاس رکھ لوں"۔ لیڈی ہوگن نے اثبات میں سر ہلا کر اجازت دی۔ پوئرٹ نے باری باری دونوں کو جھک کر سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

۴

ہرکیول پوئرٹ کی عادت تھی کہ وہ جس مسئلے کو ہاتھ میں لیتا، اس کی تمام جزئیات کا تجزیہ کیا کرتا تھا۔ لیڈی ہوگن نے اگرچہ اپنی خادمہ مس کارنیبی کے بارے میں اچھی رائے ظاہر کی تھی اور بظاہر پوئرٹ کے لیے اس عورت کا بیان قابل قبول تھا؛ تاہم اس نے اپنی تفتیش کا آغاز یوں کیا۔ لیڈی ہوگن سے مل کر سیدھا اس مقام پہ پہنچا جہاں مرحومہ لیڈی ہارڈنگ فیلڈ کی بھانجی مس ٹریورس رہتی تھی۔ اس نے پوئرٹ سے کہا:

"آپ مس کارنیبی کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ ہاں ہاں، میں اسے خوب جانتی ہوں۔ وہ میری خالہ کے ہاں برسوں رہ چکی ہے۔ شریف اور پسندیدہ اطوار کی عورت ہے۔ اُسے کتوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ میری خالہ کو اخبار پڑھ کر سنایا کرتی تھی۔ جب خالہ مر گئیں تو وہ کسی اور جگہ نوکر ہو گئی . . . . خیر تو ہے آپ اس کے بارے میں یہ باتیں کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں" پوئرٹ نے جواب دیا۔ "ایک پالتو کتے کا معاملہ ہے جو گم ہو گیا تھا۔ بھورے رنگ والا چھوٹے قد کا کتا۔"

"آہ — ایسا ہی ایک کتا میری خالہ کے پاس بھی تھا۔ جب وہ چل بسیں تو یہ کتا مس کارنیبی کے ہاتھ آ گیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے سنا کہ یہ کتا مر گیا۔ بے چاری کارنیبی نے اس کا بڑا سوگ کیا۔ کتنی رحم دل عورت ہے یہ۔"

"اور بے وقوف بھی — میں نے کچھ ایسا ہی سنا ہے" پوئرٹ نے کہا۔

"بے وقوف — ہرگز نہیں ہرگز نہیں" مس ٹریورس نے چلّا کر کہا۔ "اُسے بے وقوف کون کہتا ہے۔ وہ نہایت عقل مند عورت ہے بڑی ہوشیار۔"

پوئرو نے اس مرحلے پر مس ٹریورس کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گیا۔ اب وہ اُس باغ کے چوکیدار سے ملا جس میں مس کارنیبی کُتے کو گھمانے پھرانے لے جایا کرتی تھی۔ چوکیدار نے پوئرو کے سوال پر سر کھجایا، چند لمحے تک کچھ غور کیا، پھر کہنے لگا:

"ہاں جناب، اب مجھے یاد آیا ــــ ایک اُدھیڑ عمر کی پھولے ہوئے جسم کی عورت کُتے کو لے کر آیا کرتی تھی ــــ ایک دن اس کا کُتا گم ہو گیا۔ یہ چھوٹے قد کے جھبرے کُتے ہوتے ہی شریر ہیں۔ وہ میرے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ میں نے اس حلیے کا کوئی کُتا تو نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا بی بی، میں یہاں کُتوں کی رکھوالی کرنے نہیں آیا ہوں اور پھر باغ میں تو سینکڑوں لوگ اپنے کُتے لے کر آتے ہیں بھلا کیا پتہ چل سکتا ہے۔"

ہرکیول پوئرو نے چوکیدار کے ہاتھ میں ایک سکّہ تھمایا اور چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نمبر ۳۸ بلومز بری روڈ سکوئر پر کھڑا تھا۔ یہ دراصل تین فلیٹ مِلا کر ایک پرائیویٹ ہوٹل بنایا گیا تھا۔ پوئرو نے آفس کے دروازے پر دستک دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ تب اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ ایک لمبی چوڑی میز پر بے شمار کاغذات بکھرے ہوئے تھے اور اردگرد چند بوسیدہ کرسیاں پڑی تھیں۔ پوئرو نے دروازہ بند کر دیا اور دوسری طرف چلا ایک کمرے کے دروازے پر ڈرائنگ روم کی تختی لگی تھی۔ ایک لڑکی بدن پر میلا کُچیلا ایپرن باندھے میزوں کی صفائی کر رہی تھی۔ اس نے تھکی تھکی نگاہیں اُٹھا کر پوئرو کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"معاف کیجیے، میں اس ہوٹل کے مینجر سے ملنا چاہتا ہوں لیکن وہ اپنے آفس میں نہیں ہیں۔ کیا آپ بتا سکیں گی کہ وہ کہاں ہیں۔؟"

"آپ تشریف رکھیے۔ وہ ابھی آتی ہیں" لڑکی نے مختصر سا جواب دیا۔ پوئرو زیرِ لب مسکرایا۔ اس نے سوچا اس ہوٹل کا مینجر مرد نہیں کوئی عورت ہے۔ چند لمحے بعد اُدھیڑ عمر کی ایک عورت وہاں نمودار ہوئی۔ لڑکی نے پوئرو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"مسز ہارٹ۔ یہ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے جناب، آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی۔ کیا آپ ہوٹل میں کمرہ لینا چاہتے ہیں؟"

"جی نہیں — میں دراصل اپنے ایک دوست۔ کیپٹن کرٹس کی تلاش میں ہلا کیا حال ہی میں یہ صاحب آپ کے ہوٹل میں ٹھہرے تھے؟"

"کرٹس؟" کیپٹن کرٹس"... مسز ہارٹ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ نام تو کچھ مانوس سا ہے، لیکن اب یاد نہیں آتا کہ کہاں سنا تھا.... آپ اپنے دوست کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟"

"حلیہ بتانا تو میرے لیے مشکل ہوگا...." پوئرو نے کہا —

"بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہوٹل کی معرفت مسافروں کے خطوط وغیرہ بھی آتے ہیں۔ کیا آپ ان خطوں کو محفوظ رکھتی ہیں؟"

"جی ہاں، اکثر خط آتے ہیں اور وہ ایسے مسافروں کے ہوتے ہیں جو چند دن ہوٹل میں ٹھہرنے کے بعد چلے جاتے ہیں اور ہمیں ہدایت کر دیتے ہیں کہ ان کی ڈاک سنبھال کر رکھیں۔ وہ آکر وصول کر لیں گے۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے خط لینے نہیں آتے! چنانچہ ایسے تمام خط ایک خاص مدت بعد ڈاک خانے کو لوٹا دیے جاتے ہیں۔"

"میں نے اپنے اس دوست کیپٹن کرٹس کو اس ہوٹل کے پتے پر خط لکھا تھا — ذرا دیکھیے کہ وہ ابھی تک یہیں موجود ہے یا اسے مل گیا" پوئرو نے کہا۔

مسز ہارٹ نے جلد جلد کچھ کاغذات اُلٹے پلٹے، میز کی درازیں دیکھیں، خطوں کا ایک بڑا انبار نکالا، ایک ایک کر کے سب خطوں پر لکھے ہوئے پتے پڑھے اور مایوسی سے سر ہلا کر کہا:

"ان خطوں میں سے کیپٹن کرٹس کے نام کوئی خط نہیں ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکی — کیا کوئی اہم معاملہ ہے جناب؟"

"نہیں نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ بہرحال آپ کا بہت بہت شکریہ۔"
پوئرد نے کہا اور باہر جانے کے لیے مڑا۔ مسز ہارٹ کی آواز آئی۔
"جناب، ممکن ہے آپ کے دوست کیپٹن کرٹس کسی وقت یہاں آئیں تو ان کو کوئی پیغام دے دیجیے۔"
"میرا خیال ہے وہ یہاں نہیں آئیں گے۔" پوئرد نے جواب دیا۔

۵

مسز سیموئل نے خوش اخلاقی سے ہرکیول پوئرد کو اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہا:
"میں نے آپ کا نام اکثر سنا ہے۔ آج دیکھنے کا بھی اتفاق ہو گیا۔"
پوئرد نے انکساری سے سر جھکایا اور مسز سیموئل کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ لیڈی ہوگن کے برعکس یہ عورت دبلی پتلی اور لمبی قامت کی تھی۔ خشک بال بار بار ہوا کے جھونکوں سے لہراتے اور وہ ہر دفعہ انہیں سنوارتی۔ اس کی خادمہ مس کیبل بھی قریب ہی بیٹھی تھی اور وہ بھی مس کارنیبی کی طرح مسز سیموئل کے پالتو کتے نکی پو کو باغ میں ٹہلانے لے جایا کرتی تھی۔ اتنے میں بھورے رنگ کا چھوٹا سا خوبصورت کتا دُم ہلاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور پوئرد اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ ایک پُراسرار تبسم اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا۔ اس نے آپ ہی آپ کئی مرتبہ گردن کو جنبش دی۔ پھر اس کے کانوں میں مسز سیموئل کی آواز آئی۔
"مسٹر پوئرد، ابھی تک میری عقل چکر میں ہے کہ آخر یہ ہوا کیسے؟ کتے کو یوں غائب کر دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جب کہ مس کیبل کہتی ہیں کہ اس روز باغ میں بہت سے افراد سیر کے لیے آئے ہوئے تھے۔"
"نہایت نوازش ہو گی اگر مس کیبل اپنی زبان سے تمام حالات سنائیں۔" پوئرد نے کہا:

''جب میں ننکی پو کو لے کر باغ سے باہر نکلی تو ایک نرس بچہ گاڑی کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا: کیا وقت ہوا ہے! میں نے۔۔۔''

''نرس؟ کیا وہ کسی ہسپتال کی نرس تھی؟'' پوئرو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں۔۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ بچے کی آیا تھی۔۔۔۔ گاڑی میں جو بچہ لیٹا ہوا تھا، وہ نہایت خوبصورت اور پیارا تھا۔ ایسا صحت مند اور ہنس مکھ بچہ سارے لندن میں نہ ہوگا۔ مجھے دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ میں اسے پیار کرنے میں لگی رہی اور اتنے میں کوئی موذی ہمارے ننکی پو کو لے کر غائب ہو گیا۔ میں نے بعد میں دیکھا تو پٹہ کاٹ دیا گیا تھا۔ اگر آپ کہیں تو میں وہ پٹہ لا کر دکھاؤں؟''

''نہیں نہیں — اس کی کوئی ضرورت نہیں''۔ پوئرو نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے کتوں کے گلے سے اترے ہوئے پٹے جمع کرنے کا شوق بالکل نہیں۔''

''پھر میں روتی ہوئی گھر چلی آئی۔ ننکی پو کا کہیں پتہ نہ چلا۔''

''اور اگلے روز آپ کو خط ملا؟'' پوئرو نے کہا۔

''جی ہاں — بالکل'' مسز سیموئل نے کہا۔ ''اس میں درج تھا کہ اگر میں نیچے لکھے ہوئے پتے پر تین سو پونڈ کی رقم، ایک ایک پونڈ کے نوٹوں کی شکل میں روانہ کر دوں تو کتا بخیر و عافیت گھر پہنچ جائے گا اور اگر یہ رقم نہ ملی تو کتے کی دم اور دونوں کان کاٹ کر روانہ کیے جائیں گے۔ پتہ یہ تھا: کمانڈر بلیک لی۔ ہارلنگٹن ہوٹل، ۷۶ کلوئل گارڈنز۔ کینسنگٹن۔''

''اور آپ نے اس پتے پر تین سو پونڈ کی رقم ڈاک کے عام لفافے میں رکھ کر بھیج دی؟''

''جی ہاں — اس کے علاوہ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اپنے پیارے کتے کی جان بچانے کے لیے تین سو کیا میں ہزار پونڈ بھی دے دیتی۔ بہرحال اگلے ہی روز ننکی پو خود بخود ہمارے گھر پہنچ گیا۔ پھر میں ہارلنگٹن ہوٹل خود گئی اور ہوٹل کی پروپرائٹر کے کمرے میں جا بیٹھی تاکہ کمانڈر بلیک لی کے بارے میں معلوم کروں۔ آپ یہ سن کر حیران

دوں گے مسٹر پوئرد کہ میں نے وہاں اپنا خط لکڑی کے ایک ریک میں رکھا ہوا پایا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت خط قطاریں رکھے ہوئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے لفافے کے اندر نوٹوں کی گڈی ابھی تک موجود ہے ۔۔ میں نے جلدی سے وہ لفافہ اٹھایا اور اپنے پرس میں رکھ لیا۔ پھر گھر آکر اسے کھولا تو۔ ۔ ۔ ۔"

"اس میں سے نوٹوں کی بجائے کاغذ کے سادہ ٹکڑے برآمد ہوئے ؟" پوئرد نے جملہ مکمل کر دیا۔ مسز سیموئل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ تو معمولی بات ہے مسز سیموئل۔ ظاہر ہے چور کو کُتا واپس کرنے سے پہلے رقم ملنی چاہیئے تھی۔ وہ ہارنگٹن ہوٹل گیا۔ ریک میں سے آپ کا لفافہ اٹھایا، اس میں سے نوٹ نکالے اور ان کی جگہ سادہ کاغذ کے اسی سائز کے ٹکڑے رکھ دیے جس سائز کے نوٹ تھے پھر وہ لفافہ وہیں ریک میں رکھ دیا تاکہ ہوٹل کی انتظامیہ کو اس کے گم ہونے کا احساس نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ کمانڈر بلیک لی نام کا کوئی شخص اس ہوٹل میں نہیں ہوگا"

"میرے شوہر کو جب اس واردات کا علم ہوا تو وہ بے حد ناراض ہوا۔ اس نے مجھے نہایت برا بھلا کہا۔"

آپ نے رقم بھیجنے سے پہلے اپنے شوہر کو آگاہ نہیں کیا تھا؟"

"جی نہیں ۔۔ میں ڈرتی تھی کہ وہ ہنگامہ کھڑا کر دے گا اور فوراً پولیس کو اطلاع دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ پھر میں اپنے پیارے ننکی پُو کو زندگی بھر نہ دیکھ پاتی۔"

"بے شک ۔۔ بے شک" پوئرد نے زیر لب کہا۔

٦

ہرکیول پوئرد نے جب اپنا ملاقاتی کارڈ اندر بھیجا تو سر جوزف ہوگن اس کے استقبال کے لیے خود کمرے سے باہر آ گیا۔ آئیے مسٹر پوئرد، کوئی تازہ خبر؟ کچھ پتہ چلا کہ یہ کون بدمعاش ہیں جو پالتو کُتوں کو اغوا کر لیتے ہیں اور پھر بھاری رقوم کا مطالبہ کرتے ہیں؟"

"میں نے بہت کچھ پتہ لگا لیا ہے سر جوزف۔ بس چند روز کی مہلت اور"

"بہت خوب۔۔۔۔ بہت خوب۔ آپ نے تو واقعی کمال کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس مسئلے کو حل کرنا دشوار ہوگا۔"

پوئرو نے اپنی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا:

"ہر کیول پوئرو کسی مسئلے کو حل کرنے میں کبھی ناکام نہیں رہا سر جوزف۔"

اپنے آفس پہنچ کر پوئرو نے وفادار جارج کو طلب کیا۔ جارج اس کا خانساماں بھی تھا اور مشیر بھی۔ سراغ رسانی کے چھوٹے موٹے کام بھی پوئرو اس سے لیا کرتا تھا۔ اس نے جارج کو دھیمے لہجے میں چند باتیں سمجھائیں۔ وہ غور سے سنتا رہا اور سر ہلاتا گیا۔ آخر میں پوئرو نے کہا:

"میرا خیال ہے تمہیں اس کام کے لیے تین دن کی مہلت دے دی جائے۔"

جارج نے ادب سے گردن جھکائی اور باہر چلا گیا۔

۷

ٹھیک تین دن بعد جارج نے اپنے آقا کے سامنے کاغذ کا ایک پرزہ رکھتے ہوئے کہا:

"جناب یہ ہے وہ پتہ۔"

"شاباش۔ شاباش۔" پوئرو نے خوش ہو کر کہا۔ "آج بھلا کیا دن ہے؟"

"آج جمعرات ہے جناب۔"

"خوب خوب۔ بس تو کام بن گیا۔ اب میں مزید تاخیر گوارا نہ کروں گا۔"

اس نے جلد جلد کپڑے تبدیل کیے اور چھڑی ہاتھ میں لے کر آفس سے باہر نکلا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ بیس منٹ کا راستہ ہے۔۔۔ پیدل ہی چلنا چاہیئے۔ مزے مزے میں چلتا اور چھڑی گھماتا ہوا آخرکار وہ روشنی مینشن کے سامنے پہنچ گیا۔ اسے اس عمارت کی تیسری منزل پر جانا تھا۔ بدقسمتی سے لفٹ بھی نہ تھی۔ اس نے منہ بنایا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ جب وہ آخری منزل

پر کمرہ نمبر دس کے سامنے ٹھہرا تو اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔ بند دروازے کے پیچھے سے کسی کُتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر اپنے سر کو جنبش دی اور پھر دروازے پر لگی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ چند ثانیے بعد دروازہ کھلا۔ کُتے کے بھونکنے کی آواز اور بلند ہوگئی۔ پوئرد نے ٹوپی اتار کر گردن جھکائی اور کہا:

"کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

کُھلے دروازے میں کھڑی ہوئی مس کارنیبی نے جوں ہی ہرکیول پوئرد کی صورت دیکھی، اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور چہرہ دُھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید پڑ گیا۔ پوئرد اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں پرانا فرنیچر بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا۔ آتش دان کے قریب رکھے ہوئے ہوئے صوفے پر ایک عمر رسیدہ عورت لیٹی تھی۔ پوئرد کو دیکھتے ہی عورت نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ اپاہج تھی۔ دفعتہً بھورے رنگ کا ایک چھوٹا کتا بھونکتا ہوا پوئرد کے نزدیک آیا۔

"آہ... یہ ہے اس ڈرامے کا ہیرو... میرے ننھے دوست میں تمہیں عمدہ اداکاری پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

پھر اس نے جھک کر کُتے کو گود میں اٹھا لیا۔ کُتے نے ایک دو مرتبہ اسے سونگھا پھر خاموشی سے دُم ہلانے لگا۔ مس کارنیبی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"مسٹر پوئرد، آپ کو سب کچھ پتہ چل گیا..."

"ہاں —" پوئرد نے جواب دیا۔ "یہ غالباً تمہاری بڑی بہن ہیں۔"

مس کارنیبی نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر اپنی بہن سے کہا:

"ایملی... یہ مسٹر پوئرد ہیں... مشہور سراغرساں — تم نے ان کا نام سنا ہوگا"

اپاہج عورت کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ اس کے ہاتھ بُری طرح کانپ رہے تھے۔ پوئرد نے کُتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"اور اس ننھے ہیرو کا کیا نام ہے ؟"

"ہم اسے آگسٹس کہتے ہیں ۔"

"بہت خوب — میں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں ۔ مس کارنیبی — تم نے اس کتے کو نہایت ہوشیاری سے سدھایا ہے ۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے تم نے اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کتنی محنت کی ہوگی ۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ تم اپنی مالکہ کے کتے سان تنگ کو باغ میں گھمانے لے جاتی تھیں ۔ ایک روز تم نے ایسا کیا کہ سان تنگ کو اپنے گھر لے آئیں ، اسے یہاں باندھا اور اپنے کتے آگسٹس کو لے کر باغ میں جا پہنچیں ۔ یہ دونوں کتے ایک ہی قد و قامت ، ایک ہی رنگ اور ایک ہی نسل کے ہیں ۔ اس لیے کسی کو بھی شبہ نہ ہوا ۔ واپسی کے وقت تم نے نہایت چالاکی سے پٹہ کاٹ دیا ۔ تمہارا آگسٹس فوراً وہاں سے رفوچکر ہو کر اپنے گھر پہنچ گیا اور پھر تم نے کتے کے گم ہو جانے پر غپاڑہ مچا دیا ۔"

اپاہج عورت نے اس مرحلے پر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونا شروع کر دیا ۔ مس کارنیبی پلک جھپکائے بغیر پوئرو کو گھور رہی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ غش کھا کر گرنے والی ہے ۔

"آپ سب کچھ جانتے ہیں مسٹر پوئرو ۔ ۔ ۔ میں بے شک مجرم ہوں ۔ اب میں اپنے اس جرم کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں ۔ ۔ ۔ مگر آپ سے اتنی التجا کرتی ہوں کہ میری اپاہج بہن پر ترس کھائیے — آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کن حالات میں یہ جرم کرنا پڑا ہے ۔ میری ساری زندگی بڑے گھروں کی خدمات میں کٹ گئی ہے ۔ اب میں بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں ۔ مزید چند برس بعد میں بالکل بے کار ہو جاؤں گی ۔ اس کے بعد کیا ہوگا شاید ہم دونوں بہنیں فاقے کرنے پر مجبور ہوں ۔ چوبیس گھنٹے کام میں جتے رہنے کے باوجود میری مالکہ مجھ سے مطمئن نہیں ۔ وہ ہر وقت مجھے 'سست' ، کام چور اور بے وقوف ہونے کا طعنہ دیتی ہے ۔ میری تنخواہ میں ایک پائی کا اضافہ کرنے کو تیار نہیں ، بلکہ بہانے

بنا بنا کر تنخواہ میں سے بھی ہر ماہ کچھ رقم کاٹتی رہتی ہے۔ مجھے اس کمرے کا ہر ماہ اچھا خاصا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد گیس اور بجلی کا خرچہ بھی ہے۔ آپ یقین کیجیے کئی کئی دن تک ہمیں رات کو پورا کھانا بھی نہیں ملتا۔ ایک دن میں نے لیڈی جوزف سے تھوڑی سی رقم اُدھار مانگی۔ انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اور سینکڑوں باتیں سنا کر رکھ دیں۔ مجھے بے حد رنج ہوا۔ اُس روز میں اپنی بے بسی پر خوب روئی۔ ایک دن میں اپنے کُتّے آگسٹس کو نہلا رہی تھی کہ روپیہ حاصل کرنے کی انوکھی تدبیر میرے ذہن میں آئی۔ یہ کُتّا مجھے سابق مالکہ ہارٹنگ فیلڈ نے دیا تھا۔ اسی نسل کے دو اور کُتّے بھی مسز سیموئل اور لیڈی جوزف ہوگن کے پاس تھے۔ اگر ان تینوں کُتّوں سان تنگ، ننکی پو اور آگسٹس کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو کوئی شخص بھی آسانی سے ان میں تمیز نہ کر سکے گا۔ مجھے یہ بھی خوب اندازہ تھا کہ لیڈی جوزف اور مسز سیموئل اپنے کُتّوں پر جان دیتی ہیں، چنانچہ سان تنگ کے گم ہونے کی خبر میں نے لیڈی جوزف کو سنائی تو انہوں نے رو رو کر آنکھیں سجا لیں اور جب اگلے روز کیپٹن کرٹس کے نام سے میرا بھیجا ہوا خط اُنہیں ملا تو وہ اتنی حواس باختہ ہوئیں کہ میری توقع کے عین مطابق انہوں نے دو سو پونڈ کے نوٹ لفافے میں بند کر کے میرے حوالے کر دیے اور کہا کہ اسے ابھی ڈاک میں ڈال دوں۔ میں نے وہ نوٹ نکال کر اپنے پاس رکھ لیے اور لفافہ پھاڑ کر پھینک دیا۔

پوئرو کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے کہا:

"میں آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے واقعی صحیح اندازہ کیا تھا۔ آگے بتائیے پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ میں نے مسز سیموئل کی خادمہ مس کیبل کو اپنے ساتھ ملایا۔ وہ بھی اپنی مالکہ کے ہاتھوں عاجز تھی۔ میں نے اسے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اگلے ہی روز وہ مسز سیموئل کے کُتّے ننکی پو کو ہمارے گھر لے آئی اور اس کی جگہ آگسٹس کو باندھ کر باغ میں لے گئی —— اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ

بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ اس معاملے میں فرق صرف اتنا پڑا کہ مسنر سیموئل نے تین سو پونڈ کی رقم لفافے میں بند کر کے مس کیبل کو پوسٹ کرنے کے لیے نہ دی، بلکہ خود جا کر سپردِ ڈاک کی، چنانچہ آپ یا مس کیبل میں سے کوئی ایک خاتون ہیرنگٹن ہوٹل میں گئیں، ریک میں رکھے ہوئے لفافوں میں سے مسز سیموئل کا بھیجا ہوا لفافہ اٹھایا۔ اس میں سے نوٹ نکالے اور ان کی جگہ کاغذ کے ٹکڑے بھر کر چلی آئیں۔"

"جی ہاں — ایسا ہی ہوا۔" مس کارنیبی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر پوئرو، مجھے بخوبی احساس تھا کہ میں قانون کی خلاف ورزی کر رہی ہوں اور یہ نہایت بھیانک جرم ہے، لیکن حالات نے مجھے مجبور کر دیا — اب ہم دونوں بہنوں کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

پوئرو نے چند لمحے تک اس معاملے پر غور کیا۔ پھر کہا :

"بہر حال۔ میرا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔ اس لیے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مزید کارروائی نہیں کی جائے گی، مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ آپ ایسی واردات ہرگز نہ کریں میں آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ آپ بہترین ایکٹرس ہیں۔ میں ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ چور کون ہو سکتا ہے اور اس واردات میں ایک کی بجائے کئی کتے شامل ہیں۔ آپ نے بہت ہوشیاری سے اپنے کتے آگسٹس کے مرنے کی خبر اڑائی تھی۔ حالانکہ یہ کتا زندہ تھا۔ بہر حال میں نے اپنے نوکر جارج کو ہدایت کر دی تھی کہ فلاں فلاں علاقے میں گھوم پھر کر معلوم کرے کہ ایک اپاہج عورت جس کی بہن کا حلیہ یہ ہے کہاں رہتی ہے ان کے پاس بھورے رنگ کا ایک چھوٹا کتا بھی لازماً ہونا چاہیے اور جارج نے تین دن کے اندر اندر آپ کا پتہ نشان معلوم کر کے مجھے بتا دیا — جمعرات کے روز آپ چھٹی کرتی ہیں یہ بات بھی مجھے معلوم تھی — پس میں سیدھا یہاں چلا آیا۔"

مس کارنیبی نے ایک ایک پونڈ کے نوٹوں کی گڈی نکال کر پوئرو کے حوالے کی اور کہا :

"یہ وہ رقم ہے جو لیڈی جوزف نے ارسال کی تھی۔"

پوئرو نے احتیاط سے نوٹ گن کر جیب میں رکھے اور کہا:

"مسز سیموئل سے تم نے جو رقم حاصل کی، اس کا حساب کتاب میں نہیں پوچھوں گا میرا تعلق تو صرف سر جوزف کے کیس سے ہے۔ اب میں یہ رقم انہیں لوٹا دوں گا۔

۸

"ہرکیول پوئرو نے جب سر جوزف کے سامنے دو سو پونڈ کی رقم رکھی تو وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا: "مسٹر پوئرو آپ واقعی اپنے فن میں ماہر ہیں ــ مگر یہ تو بتایئے کہ وہ بدمعاش کون ہے جس نے یہ بے ہودہ حرکت کی۔"

"جناب والا، یہ میں نہ بتاؤں گا۔ اسے صیغۂ راز میں رہنے دیجیے۔ آپ اپنی رقم سنبھالیے اور یقین رکھیے کہ آئندہ ایسی واردات نہ ہوگی۔

"مگر یہ تو غلط ہے ــ" سر جوزف نے غصے سے کہا۔ "مجرم کو بہرحال پولیس کے حوالے کرنا چاہیئے۔ اس نے قانون توڑا ہے۔"

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں، مگر مجرم کو پولیس کے حوالے کرنا میرا کام نہیں ہے آپ از خود یہ کوشش کر سکتے ہیں۔"

سر جوزف نے انتہائی طیش سے پوئرو کی طرف دیکھا اور کہا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجرم کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ پولیس سے کہوں گا کہ آپ کو شامل تفتیش کرے۔"

"آپ بڑے شوق سے ایسا کر سکتے ہیں...." پوئرو نے کہا... "مگر ایک پرانی بات مجھے یاد آ رہی ہے، اجازت ہو تو اس کا ذکر کر دوں؟"

"ضرور کہیئے......."

"بہت برس گزرے میرے وطن بلجیم میں لندن کا ایک شخص رہا کرتا تھا۔ اس نے اپنی حسین سیکرٹری سے شادی کرنے کے لیے بیوی کو زہر دے کر مار ڈالا اور پھر لندن بھاگ آیا۔ میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ جب آپ سے پہلی ملاقات ہوئی تو نہ معلوم

کیوں میرے ذہن میں اس شخص کی شکل گھومنے لگی۔ آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آتا گیا
سر جوزف کے چہرے پر یک لخت مُردنی چھا گئی۔ دیر تک کوئی لفظ اس کے منہ
سے نہ نکل سکا۔ پھر اس نے دو سو پونڈ کی رقم اٹھا کر پوئرد کے سامنے رکھ دی اور
کہا :

"مسٹر پوئرد، اسے آپ اپنی فیس سمجھ کر قبول کیجئے۔ میں مجرم کو پولیس کے
حوالے کیے جانے پر اصرار نہیں کرتا۔"

سرکس کا شہزادہ

یہ فروری ۱۹۱۲ء کی ایک خوشگوار اور چمکیلی صبح کا ذکر ہے۔
البانی فوجوں کے کمانڈر انچیف جنرل اسد پاشا کو قسطنطنیہ سے دو ٹیلی گرام وصول ہوئے۔ جنرل اسد پاشا اُس وقت ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا۔ اس نے بے پروائی سے ایک تار کے مضمون پر نظر ڈالی لیکن فوراً ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آنکھوں کی گردش رک گئی۔ چند ثانیے تک وہ پتھر کے بُت کی مانند اپنی کرسی پر بیٹھا تار کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے غصّے سے ہاتھ مار کر ناشتے کی ٹرے کو ایک جانب پھینکا اور کمرے کے ایک گوشے میں لٹکی ہوئی رسّی کو پکڑ کر وحشیانہ انداز میں بار بار کھینچنے لگا۔ اور اس کے کمرے سے باہر لگی ہوئی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔ فوراً اس کا نائب کرنل احمد کمرے میں داخل ہوا۔ اسد پاشا نے دونوں تار اس کی طرف بڑھا دیے کرنل احمد نے بلند آواز میں باری باری ہر تار کا مضمون پڑھا۔ ان میں سے ایک کے نیچے لفظ "سلطان" اور دوسرے کے نیچے "ہائی کمانڈ" کے الفاظ درج تھے۔ ان دونوں تاروں کا مضمون ایک ہی تھا۔

"پرنس حلیم الدین تمام فوجوں کی کمان سنبھالنے کے لیے عنقریب آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ اُنہیں ان کے عہدے کا چارج دے دیا جائے۔"
کرنل احمد نے تار پڑھا اور وہ بھی اپنے آقا کی طرح غم و اندوہ کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

۱۹۱۳ء میں البانیہ ایک زبردست سیاسی بحران کا شکار تھا۔ ترکی جس نے البانیہ پر پانچ سو سال تک حکومت کی تھی۔ آہستہ آہستہ اپنا اقتدار کھو رہا تھا۔ یونان اور بلغاریہ اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ سلطان کی عیش پرستی اور وزراء و اُمراء کی خود غرضیاں رنگ لائیں اور ۱۹۰۸ء میں ترکی میں وطن پرستی کی تحریک کا آغاز "نوجوان ترکوں" کی تنظیم سے ہوا۔ ان کی جدّوجہد سے مجبور ہو کر سلطان نے ۱۹۰۸ء میں آئینی اصلاحات نافذ کیں۔ اٹلی نے موقع پا کر طرابلس پر قبضہ کر لیا اور بلقانی ریاستوں نے ترکوں کو البانیہ اور مقدونیہ سے بھی نکال دیا۔

البانیہ والوں نے نوجوان ترکوں کی حمایت اس اُمید پر کی تھی کہ وہ انہیں حق خود اختیاری دیں گے لیکن البانیہ کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۰ء تک البانیہ نے ترکی کے تسلط سے آزاد ہونے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نے قدم نہ چومے۔ اُدھر یونان، بلغاریہ اور سربیا بھی ترکی سے سخت ناراض تھے۔ آخر ان سب نے ترکی کے خلاف آپس میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے ہر فریق پر دوسرے کی مدد فرض ہو گئی۔ ۱۹۱۲ء میں غیر متوقع طور پر مونٹی نیگرو کی چھوٹی سی ریاست نے جس کے پاس نہ اسلحہ تھا اور نہ بڑی فوج تھی، ترکی پر حملہ کر دیا۔ مونٹی نیگرو کی مدد کے بہانے یہ تمام اتحادی ریاستیں ترکی کے خلاف صف آراء ہو گئیں اور اس طرح پہلی جنگِ بلقان کا آغاز ہوا۔ یہ جنگ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو شروع ہو کر ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء کو صلح نامہ لندن کی رُو سے ختم ہوئی۔ اس جنگ میں ترکی کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا اور وہ اپنے تمام مغربی علاقے سے دستبردار ہو گیا اور اس طرح ۲۸ نومبر ۱۹۱۲ء کو البانیہ نے آزادی حاصل کر لی۔ بین الاقوامی سیاسی میدان میں البانیہ کی حمایت اٹلی آسٹریا اور ہنگری نے کی۔

البانیہ کی آبادی میں ستر فی صدی مسلمان تھے اور ان کی بڑی خواہش یہ تھی کہ ان کا حکمران مسلمان ہی ہو۔ اُدھر دوسری قومیں جن کے نمائندے لندن کانفرنس میں البانیہ

کی قسمت کا فیصلہ کر رہے تھے، اس پر منحصر نہیں کہ البانیہ کی باگ ڈور کسی عیسائی کے ہاتھ میں رہے۔ ان حالات سے سرکس کے دو عیاروں نے فائدہ اٹھایا، ایک سلطان ترکی کا بھتیجا پرنس حلیم الدین بنا اور دوسرا اس کا محافظ — اور خادمِ خاص!

تین روز بعد ڈورازو کی بندرگاہ پر جنرل اسد پاشا معزز مہمان اور البانین فوج کے نئے کمانڈر انچیف پرنس حلیم الدین کے استقبال کے لیے پہنچ گیا تھا۔ بندرگاہ پر باوردی فوجی جوانوں کے علاوہ ہزارہا شہری بھی موجود تھے جو پرنس حلیم الدین کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں پہلے سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ انہیں خوشی تھی کہ جنرل اسد پاشا کا اقتدار ختم ہو رہا ہے اور اب خود سلطان ترکی کا بھتیجا پرنس حلیم الدین ان پر حکومت کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ ادھر جنرل اسد پاشا اور اس کے نائب کرنل احمد کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ انہیں شدید خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ پرنس حلیم چارج لینے کے بعد نہ جانے ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔

آخر انتظار کے تکلیف دہ لمحات ختم ہوئے اور پرنس حلیم الدین کا چھوٹا سا بحری جہاز جس پر ترکی کا جھنڈا لہرا رہا تھا، بندرگاہ کے اندر داخل ہوا اور جونہی ایک لمبے تڑنگے باوقار اور نہایت قوی اور جسیم شخص نے خشکی پر شاہانہ انداز سے قدم رکھا، لوگوں نے خوشی سے "پرنس حلیم زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ پرنس حلیم واقعی چال ڈھال اور شکل صورت کے اعتبار سے ترکی شہزادہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی عمر اندازاً چالیس کے لگ بھگ تھی لیکن سر اور مونچھوں کے بال سیاہ تھے۔ اس کا جسم دوہرا اور قد چھ فٹ چار انچ تھا اور سرخ رنگ کے لمبے طرّے نے تو اسے بالکل دیو ہی بنا دیا تھا۔ اس کے سینے پر رنگ برنگے تمغوں اور میڈلوں کی دوہری قطاریں سجی ہوئی تھیں۔ پرنس حلیم کے بھرے بھرے چہرے کی رونق کو جس شے نے بارعب اور طرح دار بنا دیا تھا، وہ اس کی گھنی اور نوکیلی سیاہ مونچھیں تھیں جن کے سرے اُوپر کو تنے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں

بے پناہ چمک پائی جاتی تھی۔ اس کے بائیں پہلو سے لٹکتی ہوئی تلوار اس کے قد و قامت کے اعتبار سے بالکل ایک کھلونے کی مانند نظر آتی تھی اور قریب ہی کھڑا ہوا ایک البانی سپاہی پرنس کے سامنے بونا دکھائی دیتا تھا۔

پرنس کے پیچھے پیچھے اس کا خادم خاص میکس شیل مگس موڈبانہ انداز میں چل رہا تھا۔ اپنے آقا کی طرح وہ بھی لمبا تڑنگا اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کا چہرہ تپے ہوئے تانبے کی مانند سُرخ اور سر کے بال بھُورے تھے۔ پرنس حلیم اور اس کے خادم کو دیکھ کر جنرل اسد پاشا اور کرنل احمد کی گھگھی بندھ گئی۔ اپنی پوری فوجی زندگی میں انہوں نے اس دبدبے اور شان و شوکت والے آدمی بہت کم دیکھے تھے انہیں اپنے دل سینے میں بیٹھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پرنس نے اپنی عقابی نظروں سے البانی فوج کے اُس دستے کا جائزہ لیا جو اسے سلامی دینے کے لیے آیا تھا۔ جنرل اسد پاشا نے آگے بڑھ کر پرنس کو فوجی انداز میں سلام کیا اور پھر اپنی تلوار دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پیش کی، لیکن پرنس نے تلوار قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسکرا کر جنرل اسد پاشا کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

پرنس حلیم کے لیے ایک کسا کسایا گھوڑا لایا گیا جس پر وہ نہایت مشاقی سے جست لگا کر سوار ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا ذاتی خادم پھر جنرل اسد پاشا اور کرنل احمد اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر قصر شاہی کی طرف روانہ ہوئے جو شہر سے علیحدہ ایک پُرفضا مقام پر بنا ہوا تھا۔ اس سے پیشتر اس قصر میں ترکی گورنر قیام کیا کرتے تھے۔ عظیم الشان محل کے چاروں طرف باوردی مُسلّح فوجی سپاہیوں کا زبردست پہرہ لگا ہوا تھا۔ جونہی پرنس حلیم کا گھوڑا محافظ سپاہیوں کے دستے کی معیت میں محل کے قریب پہنچا، جنرل اسد پاشا اپنے گھوڑے سے اترا اور پرنس کو محل میں لے گیا۔ محل میں بے شمار کمرے تھے اور ہر کمرہ بیش قیمت سامان اور فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔ جنرل نہایت عزت و احترام سے پرنس کو محل میں لے گیا۔ محل میں بے شمار کمرے تھے اور ہر کمرہ بیش قیمت سامان اور فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔

جنرل نے نہایت ادب و انکسار سے پرنس کو محل کا ایک ایک گوشہ دکھایا اور پھر اُس حصّے میں لے گیا جہاں پرنس کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔

پرنس نے مناسب الفاظ میں جنرل کا شکریہ ادا کیا اور اسے رخصت ہونے کی اجازت دی اور جونہی سب لوگ کمرے سے باہر نکلے اور دروازہ بند ہوا۔ پرنس حلیم اور اس کا ذاتی ملازم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے پھر انہوں نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے، کیونکہ پرنس حلیم حقیقتاً پرنس نہ تھا۔ اس کا اصلی نام اوٹو وائٹ تھا اور وہ تین روز پیشتر البانیہ کے ایک سفری سرکس میں ادنیٰ ایکٹر کی حیثیت سے ملازم تھا اور اس کا "خادم خاص" میکس شیل بگس اسی سرکس میں مسخرے کا پارٹ ادا کیا کرتا تھا۔ اپنی کامیابی پر وہ اتنا ہنسے، اتنا ہنسے کہ دونوں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ انہوں نے تاریخ کے سب سے دلچسپ فریب کی پہلی منزل کامیابی سے سر کرلی تھی۔

اوٹو وائٹ اور میکس شیل کی دوستی اور رفاقت کی داستان بھی ازحد پُراسرار اور حیرت انگیز ہے۔ قسمت نے ان دونوں کو ملایا بھی کہاں۔ سپین کی ایک جیل میں، جہاں وہ مختلف جرائم کے تحت سزائیں بُھگت رہے تھے۔ آدمی دونوں ذہین اور ہوشیار تھے، جرمن، فرنچ، سپینش اور انگریزی زبان اتنی روانی سے بولتے کہ اہلِ زبان بھی دھوکا کھا جاتے۔ جیل ہی میں ان دونوں نے بھاگ نکلنے کا فیصلہ کیا اور پھر نہایت ہوشیاری سے جیل کے ایک پہرے دار کو فریب دے کر فرار ہوگئے۔ چونکہ دونوں ہی اپنے فن میں طاق تھے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھے، اس لیے جلد ہی انہیں ایک سفری سرکس میں ملازمت مل گئی۔ دراصل وہ اس سرکس سے دو فائدے اٹھانا چاہتے تھے ایک یہ کہ پولیس کی نظروں سے محفوظ رہیں اور دوسرا یہ کہ دنیا کے دوسرے ممالک دیکھنے کا موقع مل سکے اور یہ دونوں فائدے انہوں نے حاصل کیے۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں وہ اپنے سرکس کے ساتھ

گئے۔ اسی دوران میں انہوں نے کئی عجیب کرتب بھی سیکھ لیے۔ اپنی مہم پسند طبیعت کے ہاتھوں کئی مرتبہ وہ مرتے مرتے بھی بچے مگر ہر بار اپنی حاضر دماغی کے ذریعے وہ موت کے منہ سے بچتے رہے۔ ایک مرتبہ جب وہ مرکزی افریقہ میں اپنے سرکس کے ساتھ گھوم رہے تھے کہ ہنگری کے ایک شاہزادے سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ شہزادے سے اُن کی دوستی بہت بڑھ گئی۔ ایک روز وہ اپنے خادموں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ جنگل کی سیر کو نکلا تو یہ دونوں بھی اس کے ساتھ گئے۔ اسی دوران میں راستہ بھول کر یہ سب لوگ ایک ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں وحشی بونے رہتے تھے۔ ان وحشیوں نے سب کو گھیر لیا اور زہر میں بجھے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ کر دی ہنگری کا شہزادہ مارا گیا اور اس کے کئی ساتھیوں کو جن میں یہ دونوں بھی شامل تھے وحشی بونوں نے پکڑ لیا۔ وہ ان کو بھی ہلاک کر ڈالتے مگر انہوں نے کئی عجیب شعبدے دکھا کر بونوں کے دل میں ہیبت بٹھا دی اور وہ انہیں کوئی آسمانی دیوتا سمجھ کر بھاگ گئے۔

وینس میں ان کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اسی زمانے میں لیناردڈ کی بنائی ہوئی مشہور عالم تصویر "مونالیزا" لوریو کے عجائب گھر سے چوری ہو گئی تھی اور اس تصویر کا لوگوں میں بڑا چرچا تھا۔ اوٹو نے اس تصویر کی ایک بہترین نقل تیار کی اور ایک یونانی تاجر کو اپنے دام میں پھانسا جسے پرانی چیزیں خریدنے کا جنون تھا اور اس کے ہاتھ پانچ لاکھ ڈالر میں یہ نقلی تصویر فروخت کر دی۔ یونانی تاجر نے پانچ لاکھ ڈالر کی رقم فرانک کی شکل میں ادا کی۔ چند روز بعد اوٹو اور میکس کو جب پتہ چلا کہ سب نوٹ جعلی ہیں تو اُن کے طیش کی انتہا نہ رہی۔ کامل ایک ہفتے تک انہوں نے اس تاجر کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا اور آخر اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئے اور پھر انہوں نے اسے پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دے کر خاصی خطیر رقم بٹور لی اور جعلی نوٹ بھی واپس نہ کیے اور انہیں بھی گاہے گاہے بازار میں چلاتے رہے۔

اور اب یہ پرنس حلیم الدین والا قصہ بھی بالکل اتفاقی طور پر شروع ہوا۔ اُن کا سرکس البانیہ کے ایک شہر تیرانہ میں آیا ہوا تھا۔ ایک روز وہ صبح کے وقت شراب خانے میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی گپ ہانک رہے تھے کہ یکایک میکس کی نظر قریب پڑے ہوئے اخبار پر جا پڑی۔ اس میں پرنس حلیم الدین کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی خبر یہ بھی درج تھی کہ البانیہ کے مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ پرنس حلیم الدین ان پر حکومت کرے۔ میکس نے وہ تصویر اوٹو کو دکھائی اور کہا:

"ذرا غور سے دیکھو اور بتاؤ کہ تمہیں اس تصویر میں کوئی خاص بات نظر آتی ہے؟"

اوٹو نے تصویر پر نگاہ ڈالی اور فوراً ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اور وہ چلایا۔

"ارے؟ یہ تو میری ہی تصویر ہے۔ تمہیں ...."

میکس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بیوقوف آدمی ذرا آہستہ بولو۔ یہ تصویر تمہاری نہیں پرنس حلیم الدین کی ہے، مگر تم نے دیکھا کہ اس کی شکل و شباہت تم سے کس قدر ملتی جلتی ہے۔ اب پروگرام یہ ہے کہ تم پرنس حلیم الدین بن جاؤ۔"

اوٹو کے ذہن میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ ان کے زرخیز دماغوں نے فوراً اس دلچسپ لیکن خطرناک ترین سکیم کا منصوبہ تیار کر لیا اور فوراً ہی اس پر عمل شروع کر دیا۔ اُنہوں نے اُسی وقت ویانا میں اپنے ایک دوست کو بذریعہ تار ترکی کی فوجی وردیاں تیار کر کے سالونیکا بھیج دینے کی ہدایت کی۔ سالونیکا ترکی کے ایک صوبے مقدونیہ کا چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سرکس سے ایک ماہ کی رخصت لی اور دوسرے روز جہاز پر سوار ہو کر سالونیکا روانہ ہو گئے۔ سالونیکا پہنچ کر انہوں نے ویانا میں اپنے اس دوست کو یہ ہدایت کی کہ وہ اس مضمون کا ایک تار (جس کا ذکر ابتداء میں کیا جا چکا ہے) ڈرازو میں مقیم جنرل اسد پاشا کو "ہائی کمانڈ" اور ترکی کے "سلطان" کی طرف سے بھیج دے۔ اس کارروائی کے بعد یہ دونوں شاطر سالونیکا سے ڈرازو پہنچ گئے اور سب کام ان کی مرضی کے مطابق سرانجام پا گیا۔

اور اب وہ ڈرانڈ کے عالی شان قصر کے ایک پُر تکلّف اور سجے سجائے کمرے میں کرسیوں پر بیٹھے اپنی کامیابی پر قہقہے لگا رہے تھے۔

یکایک دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ یہ دونوں ہنستے ہنستے چپ ہو گئے۔ پھر نقلی پرنس حلیم نے اپنی آواز کو باوقار اور رعب دار بناتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ۔"

دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک گنجا اور کانا فوجی آفیسر کمرے میں داخل ہُوا۔ کانے اور گنجے فوجی آفیسر نے، جس کا نام دیولو تھا، ایڑیاں بجا کر پرنس کو سلیوٹ کیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا۔

"جناب والا! اگرچہ آپ کی ہر دلعزیزی اور اس محبت کو دیکھتے ہوئے جو البانیہ کے باشندوں کے دل میں آپ کے لیے موجود ہے، حفاظتی انتظام غیر ضروری سا معلوم ہوتا ہے، تاہم ایک محافظ دستہ مقرر کر دیا گیا ہے جو چوبیس گھنٹے محل کے باہر پہرہ دے گا اور اس کے علاوہ میں ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے موجود ہوں۔ جس وقت آپ یہ رسّی کھینچیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"شکریہ۔" پرنس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ میرے اچھے ساتھی ثابت ہوں گے۔"
میجر دیولو نے سلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد نقلی پرنس نے ایک سرد آہ بھری اور اپنے دوست کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اب بتاؤ یار کیا کیا جائے۔ اب میں نہ صرف البانیہ کا حکمران ہوں بلکہ پوری فوج کا کمانڈر انچیف بھی ہوں اور ظاہر ہے کہ مجھے اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھنا پڑے گا، مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ اچھا اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

"میں فی الفور حکم دیتا کہ میرے لئے ایک حرم تیار کیا جائے۔" میکس نے ہنس کر کہا۔ "ارے گدھے، تجھے پتہ ہے کہ جنرل اسد پاشا اس محل میں رہتا تھا۔ یقیناً اس نے یہاں حرم کے طور پر بہت سی حسینائیں بھی رکھی ہوں گی۔ ذرا پوچھو تو سہی کہ وہ سب

عورتیں کہاں ہیں ؟"

"چپ بدمعاش۔ یہ کوئی مذاق کا وقت ہے۔ اس وقت ہم جان ہتھیلی پر لیے پھر رہے ہیں۔ اگر انہیں ہماری اصلیت کا ذرا سراغ بھی مل گیا تو زن بچہ کولہو میں پلوا دیا جائے گا۔ اس لیے ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" میکس نے پوچھا۔ "البانیہ کا خزانہ لوٹا جائے؟"

"یہ کام شاید اتنا آسان نہ ہو۔" اڈو نے کہا۔ "ہمیں پہلے یہاں کے عوام اور دوسرے بڑے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لینا ہوگا۔ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے ہم عوام کو خوش کر سکیں۔"

وہ دونوں چند منٹ تک ایک دوسرے کی طرف تکتے رہے۔ پھر میکس نے اچھل کر کہا۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر یہ آئی ہے کہ البانیہ کی جیلوں میں اس وقت جتنے بھی قیدی ہیں، ان سب کو عام معافی کے تحت رہا کر دیا جائے۔"

اور دوسرے ہی لمحے اڈو نے میجر وبیویو کو بلانے کے لیے رسّی کھینچ لی۔ ایک منٹ کے اندر اندر گنجا اور کانا آفیسر کمرے میں حاضر ہو گیا۔

"میں تمہاری مستعدی سے خوش ہوا۔" اڈو نے باوقار انداز میں کہا۔ "جاؤ جنرل اسد پاشا کو فوراً میرے پاس بھیج دو۔"

آدھے گھنٹے بعد جنرل اسد پاشا پرنس حلیم الدین کے حضور میں پہنچ چکا تھا۔ کمرے میں بچھے ہوئے بیش قیمت ایرانی قالین کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے پرنس کو سیلوٹ کیا اور اس کے احکام کا خاموشی سے انتظار کرنے لگا۔ پرنس حلیم الدین اس سے پچیس فٹ کے فاصلے پر اپنی میز پر سر جھکائے کسی اہم مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ اگرچہ اسے کمرے میں جنرل اسد پاشا کی موجودگی کا احساس ہو چکا تھا، لیکن اس نے فوراً ہی سر نہیں اٹھایا۔ تین منٹ تک اسد پاشا "اٹن شن" کھڑا رہا۔ آخر پرنس نے نگاہ اٹھائی اور اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں بولا۔

"جنرل اسد پاشا! میں ..... پرنس حلیم الدین ..... تمہیں حکم دیتا ہوں کہ البانیہ کی جیلوں کے تمام قیدیوں کو عام معافی کے تحت رہا کر دیا جائے اور دوسرا حکم تمہارے

لیے یہ ہے کہ کل صبح ناشتے کے فوراً بعد ہماری فوجوں کے متعلق صحیح صحیح رپورٹ پیش کرو کہ ہمارے پاس اس وقت اسلحہ کتنا ہے اور فوجی جوان کتنے ہیں۔"

یہ احکام سن کر اسد پاشا کے چہرے پر ایک ناگواری کیفیت نمودار ہوئی۔ تاہم زبان سے کوئی حرف نکالے بغیر اس نے پھر ایڑیاں بجا کر سلیوٹ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسرے روز صبح ناشتے کے بعد پرنس کی خدمت میں جنرل اسد پاشا نے فوج سے متعلق رپورٹ پیش کر دی۔

پرنس حلیم الدین نے پورے پندرہ منٹ اس رپورٹ کا "بغور" مطالعہ کیا۔ پھر اپنی کرسی میں دھنس کر لیٹ گیا اور نہایت مدبرانہ اور متفکرانہ انداز میں دو تین بار اپنی گردن کو جنبش دی۔ کمرے کی چھت کو تھوڑی دیر تک تکتا رہا۔ پھر دفعتہً اسد پاشا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"اپنے آدمیوں کو تیار رہنے کا حکم دے دو۔ ہم جلد ہی بلغراد پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مزید ہدایات ایک دو روز میں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔"

اسد پاشا حیرت و استعجاب کے عالم میں پرنس کی طرف تکنے لگا۔ اب پہلی مرتبہ اُسے پرنس کی عظیم شخصیت اور دبدبے کا احساس ہوا۔ دراصل بلغراد پر حملہ کرنے کا وہ خود بہت دنوں سے منصوبہ بنا رہا تھا، لیکن سلطان ترکی اور ہائی کمانڈ کی جانب سے اسے اس بات کی کبھی اجازت نہیں دی گئی اور اب خود پرنس حلیم الدین بلغراد پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ یہ حملہ ترکی حکومت کی منظوری سے ہوگا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے آقا! آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ میں فوراً آپ کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ ہماری فوج ہر طرح تیار اور مستعد ہے اور اسے آپ کی قیادت پر ہمیشہ فخر رہے گا۔"

اسد پاشا جب چلا گیا تو نقلی پرنس کا ساتھی میکس جو اپنی نشست پر بیٹھا

بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا غصّے سے چیخا۔ "اِڈتو۔ اُلّو کہیں کے۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ بلغراد کتنی بڑی قوّت کا نام ہے۔ اگر اس پر حملہ ہوا تو وہ البانیہ کے کسی فرد کو زندہ نہ رہنے دے گا۔ یہاں کے لوگ ہمارے خلاف ہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم یہاں مستقل طور پر حکومت کرنے نہیں آئے۔ بس خزانے کی تلاشی لو اور نکل چلو۔"

اِڈتو نے اپنے دوست کی بات نہایت سکون سے سُنی اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پاگل میں نہیں تم ہو۔ میں بھلا بلغراد پر حملہ کیوں کروں گا۔؟ میں نے یہ چال صرف اسد پاشا اور دوسرے افسروں کو اپنے اعتماد میں لینے کے لیے چلی ہے۔ اسد پاشا اور اس کا ساتھی کرنل احمد ہمیں شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اب ان کا شک دور ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ البانیہ کے تمام پہاڑی قبائل کے سرداروں کو اپنے محل میں مدعو کروں اور انہیں بھی مطمئن کر دوں۔"

اُسی روز دوپہر کے وقت جنرل اسد پاشا اپنے سٹاف کے دوسرے ارکان کے ساتھ پرنس کے پاس آیا اور مؤدبانہ طور پر اس سے درخواست کی کہ عوام کی زبردست خواہش ہے کہ پرنس البانیہ کا تخت و تاج سنبھال لے اور باقاعدہ اپنی بادشاہت کا اعلان کرے۔ نقلی پرنس یہ سن کر تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر شاہانہ انداز میں بولا۔

"میں البانیہ کے باشندوں کے احترام کے لیے ان کی خواہش پوری کروں گا۔ آپ میری طرف سے عوام کا شکریہ ادا کر دیجئے۔" اس کے بعد وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور سینہ تان کر اپنے پورے قد و قامت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیے۔ فی الحال ہمارے سامنے ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ یورپین طاقتیں البانیہ پر کسی غیر مسلم شخص کو مسلط کرنا چاہتی ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ ہمارے لیے انکار کی گنجائش نہیں، اس لیے میں عارضی طور پر اپنا ایک عیسائی نام.... مثلاً اِڈتو... اِڈتو اوّل تجویز کرتا ہوں اور جنرل اسد پاشا بدستور تمام البانی فوجوں کے کمانڈر اعلیٰ

ہوں گے۔"

دو روز بعد۔ یعنی ۱۵ فروری ۱۹۱۲ء کو اوڈ زائٹ جو چند دن پیشتر تک سرکس کا ایک معمولی مسخرہ تھا، البانیہ کے تخت پر بادشاہ کی حیثیت سے قابض ہو چکا تھا۔ اس کی رسمِ تاجپوشی نہایت شان و شوکت سے ادا کی گئی۔ اُس روز بادشاہ اوڈو اوّل نے البانیہ کے تمام پہاڑی قبائل کے سرداروں اور فوج کے بڑے بڑے افسروں کو اپنے محل میں دعوت دی۔ پہلے انہیں خوب کھلایا پلایا اور بعد ازاں محل میں سے بہت سی قیمتی چیزیں جمع کر کے ان سرداروں کو تحفے کے طور پر پیش کر دیں اور وہ نئے بادشاہ کی فیاضی پر عش عش کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ اس سے اگلے روز بادشاہ نے جنرل اسد پاشا کو حکم دیا کہ اپنے حرم کی خوبصورت ترین کنیزیں محل میں بھیج دے۔ کُل پچیس حسینائیں تھیں۔ ان میں سے تین کنیزیں اسد پاشا کو اور بقیہ ایک ایک دو دو دوسرے افسروں کو سونپ دیں۔ پھر اس نے اسد پاشا کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک ملکہ تلاش کی جائے۔ اسد پاشا نے البانیہ کے چھوٹے بڑے شہروں میں اپنے آدمی دوڑا دیے کہ اعلیٰ اور معزز خاندانوں کی پڑھی لکھی اور خوبصورت لڑکیاں جو ہر طرح ملکہ بننے کی اہلیت رکھتی ہوں، فوراً حاضر کی جائیں۔ چنانچہ ترانا، شوتاری، کورستا، فالونا، ایلبسن اور دوسرے کئی شہروں سے نوجوان لڑکیاں ڈرازو پہنچنے لگیں۔ ملکہ کا انتخاب بادشاہ خود کرنا چاہتا تھا۔

بادشاہ نے ان بہت سی لڑکیوں میں سے چند کو تو فوراً ہی ناپسند کر کے رخصت کر دیا۔ چند لڑکیوں کو محل میں ٹھہر جانے کی اجازت دی تاکہ ان کو بعد میں ایک بار پھر دیکھے۔ اُدھر اسد پاشا تیزی سے بلغراد پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کیونکہ اوڈو نے اس سے کہا تھا کہ جونہی وہ ملکہ کے انتخاب سے فارغ ہوا فوراً بلغراد پر ہلّہ بول دیا جائے گا۔ قبائلی سردار بھی سب متحد ہو چکے تھے اور نئے بادشاہ سے بہت خوش تھے بادشاہ بننے کے بعد چوتھی رات کا ذکر ہے کہ اوڈو ہیدا نامی ایک حسینہ سے اپنے کمرۂ خاص میں گفتگو کر رہا تھا کہ دفعتہً باہر فوجی بوٹوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر زور سے

دروازہ کھُلا اور جنرل اسد پاشا بہت سے مسلح فوجی سپاہیوں کے ساتھ کمرے میں گھس آیا۔
اوٹو اس بے جا مداخلت پر غصے سے سُرخ ہو گیا، کیونکہ اتنے عرصے میں وہ
واقعی اپنے آپ کو البانیہ کا بادشاہ سمجھنے لگا تھا۔ وہ اُچھل کر کھڑا ہوا اور چلایا۔
"جنرل تمہیں بغیر اجازت میرے کمرے میں آنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟"
اسد پاشا اسے گھورتا رہا۔ پھر اس نے کرنل احمد سے کہا "اس بدمعاش اور
اس کے ساتھی کو فوراً گرفتار کر لو۔"
دہشت اور خوف کی ایک زبردست لہر اوٹو کے جسم میں دوڑ گئی، لیکن کیا
مجال کہ اضطراب اور پریشانی کی ہلکی سی جھلک بھی اس کے چہرے پر نمودار ہوئی ہو
وہ شاہانہ انداز میں تن کر کھڑا ہو گیا اور اپنے لہجے کو بارعب بناتے ہوئے بولا۔
"اسد پاشا! میں تمہیں اس بدتمیزی اور گستاخی کی سخت سزا دینے کا فیصلہ کر چکا
ہوں —— تم نے ابھی تک میری نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کا مشاہدہ کیا، اب
تم میرے غیظ و غضب کا مزہ بھی چکھو گے۔"
اوٹو کا ستاسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ لیکن زندگی کے آخری لمحوں تک وہ اس
منظر کو نہیں بھول سکا جو اس روز البانیہ کے شاہی محل کے ایک وسیع و عریض کمرے
میں اس نے دیکھا تھا۔ اس کی آواز اور شخصیت کی ہیبت اسد پاشا، کرنل احمد
میجر ویلو اور دوسرے تمام سپاہیوں پر بیٹھ گئی —— تیر نشانے پر لگا، اس نے
فوراً کرنل احمد سے کہا:
"کرنل! ہم تمہیں جنرل کا عہدہ بخشتے ہیں — اسد پاشا کو گرفتار کر کے جیل
میں لے جاؤ اور کل صبح ہمارے حضور میں حاضر کرو۔"
کرنل احمد نے آگے بڑھ کر اسد پاشا کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی اور
فوجی اسے اپنے نرغے میں لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ جب ان کے بوٹوں
کی آوازیں لمبی راہداری کے آخری سرے پر پہنچ کر ختم ہو گئیں تو اوٹو نے ہیدا کو
حکم دیا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔ جب وہ بھی چلی گئی تو اوٹو جلدی سے ملحقہ

کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کا ساتھی اپنی تینوں کنیزوں کے درمیان پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اوٹو نے چپکے سے اُسے جگایا اور اپنے کمرے میں لا کر ساری داستان سنائی۔ میکس کے ہوش اڑ گئے۔ سارا نشہ ہرن ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ محل کے چاروں طرف زبردست فوجی پہرہ تھا۔ وہ اگر اس وقت باہر نکل کر فرار ہونے کی کوشش کرتے تو سپاہیوں کو یقیناً شک ہو جاتا، لیکن ان کا نکلنا لازمی تھا۔ موت ہر لمحہ ان کے قریب آ رہی تھی۔

قصّہ یہ ہوا کہ اُس رات کو تھوڑی دیر پہلے اصلی پرنس حلیم الدین کا ایک تار قسطنطنیہ سے جنرل اسد پاشا کے نام موصول ہوا جس میں درج تھا کہ وہ چند روز تک البانیہ پہنچ رہا ہے، اور اس تار نے اوٹو کا سارا کھیل بگاڑ دیا۔

رات کا بقیہ حصّہ انہوں نے محل سے بھاگ نکلنے کی تدبیریں سوچتے ہوئے گزار دیا۔ جونہی مشرق سے پَو پھٹی اور اجالا آہستہ آہستہ پھیلنے لگا، میکس اور اوٹو کے ہاتھ پَیر پھولنے لگے۔ آخر اس نازک ترین موقع پر بھی میکس کا ذہن ہی کام آیا۔ وہ کہنے لگا۔

"پیارے دوست! قضا ہمارے سروں پر کھیل رہی ہے۔ بچ نکلنے کی ایک ہی تدبیر مجھے سُجھائی دیتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تم گھنٹی بجا کر دیولو کو بلانا اور اس سے کہنا کہ اسد پاشا کو سب کے سامنے اس کی گستاخی کی سزا کا حکم سنایا جائے گا۔ اس لیے سات بجے تک محل کے تمام محافظ، سپاہی اور دوسرے لوگ تمہارے کمرے کے سامنے جمع ہو جائیں۔ بس وہی وقت ہمارے بھاگ نکلنے کا ہو گا۔ ہم کمرے کی پچھلی کھڑکی سے کود کر محل کے صدر دروازے تک آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ دروازے پر پہرے دار نہ ہوں گے۔ اس کے بعد راستہ آسان ہے۔ ہم سیدھے تیرانا جا کر اپنے سرکس میں ڈیوٹی پر حاضر ہو جائیں گے!"

دونوں نے ایک دوسرے سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور دیوار پر لگے ہوئے خوبصورت کلاک کو دیکھنے لگے۔ پورے ایک گھنٹے بعد اوٹو نے گھنٹی بجا کر دیولو

کو بلایا اور حکم دیا کہ محل کے تمام محافظوں اور مکینوں کو سات بجے تک میرے کمرے کی بیرونی راہداری میں جمع کرو۔ پندرہ منٹ بعد وہ دونوں کمرے کی عقبی کھڑکی سے پھاند کر دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک گئے اور صبح کی گہری دھند میں گم ہو گئے۔ یہ ۲۱ رفروری ۱۹۱۳ء کا ذکر ہے۔ اس واقعہ پہ نصف صدی گزر چکی، لیکن البانیہ کی بوڑھی عورتوں کو اب بھی بادشاہ اوٹو اوّل کی حکومت کے پانچ روز بخوبی یاد ہیں اور جب چاندنی راتوں میں ان کے پوتے پوتیاں کہانی سنانے کے لیے ضد کرتے ہیں تو انہیں بادشاہ اوٹو کی سچی اور دلچسپ کہانی سنا کر بہلایا جاتا ہے۔

رقاص تصویریں

وہ سردیوں کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ میرا دوست شرلک ہومز حسبِ معمول اپنے کسی اہم کیمیائی تجربے میں مصروف تھا۔ اتنا مصروف کہ جب میں نے کمرے میں قدم رکھا تو اُسے میری آمد کا احساس بھی نہ ہوا۔ اس کی لمبی، پتلی کمر میری جانب تھی اور ہاتھ میں شیشے کی ایک نلی جسے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اس کا تجربہ جلد ختم ہو جائے گا، لیکن دو گھنٹے گزر گئے، وہ ابھی تک سرگرمی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ بالآخر لینڈ لیڈی مسز ہڈسن کی آمد اور آواز سے وہ چونکا۔

"کھانا تیار ہے مسٹر ہومز۔"

"آہ ــــ میرے دوست واٹسن، تم کب آئے؟ بھئی معاف کرنا میں اتنا مصروف رہا کہ . . . ." اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"کوئی ہرج نہیں . . . . کوئی ہرج نہیں۔" میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "بھوک کے مارے میرا بُرا حال ہے۔ مسز ہڈسن تمہارے جواب کی منتظر ہیں۔"

"کھانا بھجوا دیجئے مسز ہڈسن" ہومز نے مسکرا کر کہا۔

کھانے کے دوران میں بھی وہ خلافِ معمول خاموش رہا۔ میں نے خیال کیا شاید وہ ابھی تک اپنے تجربے کی بعض گم شدہ کڑیاں تلاش کر رہا ہے، اس لیے میں بھی چپ تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے اپنے تمباکو کی تھیلی اور پائپ سنبھالا اور آرام کرسی پر اطمینان سے لیٹ گیا۔

"کوئی نیا کیس؟" میں نے یونہی پوچھ لیا۔ ہومز نے نفی میں گردن ہلائی، پھر یکایک کچھ یاد آیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا اور میرے آگے رکھ دیا۔ میں نے اس پرزہ کاغذ کو حیرت سے دیکھا۔ یہ کسی نوٹ بک میں سے پھاڑا گیا تھا اور اس پر پنسل سے چند آڑی ترچھی مضحکہ خیز شکلیں بنی ہوئی تھیں۔

"یہ کسی بچے کا کارنامہ ہے" میں نے کہا۔

"کیا واقعی؟" ہومز کہنے لگا۔ "تو تمہارے خیال میں یہ تشکیلیں کسی بچے نے بنائی ہیں؟"

"بالکل ——— ورنہ اس کا اور کوئی مقصد مجھے نظر نہیں آتا۔"

ہومز نے وہ پرزہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ چند لمحے تک پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا، پھر بولا:

"نارفوک میں رہنے والے کوئی مسٹر ہلٹن کوبٹ ہیں، انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ اگلی ٹرین سے وہ خود بھی لندن پہنچ رہے ہیں ..... آہ ..... ذرا سننا، یہ گھنٹی کی آواز ہے۔ غالباً مسٹر ہلٹن تشریف لے آئے ہیں ....."

سیڑھیوں میں کسی کے بھاری قدموں کی آواز گونجی اور ایک لمحے بعد ہمارے سامنے ایک لمبا تڑنگا اور خوبصورت خدوخال کا شخص کھڑا تھا۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں اور چہرے پر لمبے سفر کے باعث تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ ہم دونوں سے باری باری مصافحہ کرنے کے بعد وہ کرسی پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس کی نظریں پرزۂ کاغذ پر پڑیں جو ابھی تک ہومز کے ہاتھ میں تھا۔

"کہیے مسٹر ہومز، آپ نے کیا معلوم کیا؟" اس نے اپنی فراست سے پہچان لیا کہ ہم میں سے شرلک ہومز کون ہے۔ "میں نے آپ کے بارے میں حیرت انگیز کہانیاں سنی ہیں کہ آپ پُراسرار اور لاینحل معموں کو پلک جھپکنے میں حل کر دیتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ پرزۂ کاغذ آپ کی انتہائی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ میں نے اسے پہلے یوں بھیجا کہ آپ اس پر اطمینان سے غور کر سکیں۔"

"بے شک یہ معاملہ میری دلچسپی کا باعث ہے۔" ہومز نے کہا۔ ابتدائی نظر میں یہی معلوم ہوا اور جیسا کہ میرے عزیز دوست ڈاکٹر واٹسن نے رائے ظاہر کی، یہ کسی بچے کے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں ہیں اور اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ چند آدمی گویا رقص کر رہے ہیں، مگر سوال یہ ہے مسٹر ہلٹن، آپ اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟"

"مجھے تو اس کی پروا بھی نہیں مسٹر ہومز" ہلٹن نے سنجیدگی سے جواب دیا "لیکن میری بیوی فکر کے مارے مری جاتی ہے۔ منہ سے تو کچھ نہیں کہتی، مگر جب سے یہ پرزۂ کاغذ اس نے دیکھا ہے، اس کی نیند حرام ہو گئی ہے اور چہرے پر خوف کے آثار ہیں۔ اسی لیے میں اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی بیوی کے نزدیک رقص کرتی ہوئی یہ ٹیڑھی میڑھی تصویریں کچھ معنی رکھتی ہیں؟" ہومز نے کہا۔

"بہر حال۔۔۔ بہر حال۔۔۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مناسب سمجھیں، تو اپنی بیوی کے بارے میں کچھ بتائیے تاکہ ڈاکٹر واٹسن بھی سن سکیں اور ممکن ہے اس معمے کے حل میں کوئی مدد مل سکے۔"

ہلٹن نے پہلو بدلا، پھر اپنے بھاری ہاتھ ملتے ہوئے کہنے لگا:

"میں کوئی داستان گو تو ہوں نہیں تاہم کچھ عرض کرتا ہوں۔ اگر کوئی بات تشریح طلب ہو تو پوچھتے جائیے گا۔" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔ "اس قصے کا آغاز میں اپنی شادی سے کرتا ہوں جو گذشتہ سال ہی ہوئی ہے، مگر پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں کوئی امیر کبیر آدمی نہیں ہوں۔ رائڈنگ تھارپ کے مقام پر ہمارا خاندان پانچ صدیوں سے آباد ہے اور پورے نارفوک میں ہمارے خاندان کا جو احترام اور وقار ہے، وہ کسی دوسرے خاندان کا نہیں۔ پچھلے برس میں لندن آیا اور رسل سکوائر کے ایک بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرا۔ وہیں ہمارے قصبے کا پادری پارکر بھی قیام پذیر تھا۔ اس بورڈنگ ہاؤس میں میری ملاقات ایک نوجوان اور دلکش امریکی

خاتون سے ہوئی جس کا نام ایلسی پیٹرک تھا۔ تعلقات بڑھ کر دوستی اور پھر محبت کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہم نے رجسٹری آفس میں جا کر شادی کر لی اور پھر میں اسے بیوی کی حیثیت سے نارفوک لے گیا۔ مسٹر ہومز آپ یہ سب قصہ سن کر حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں ایسا خاندانی آدمی ہو کر یہ حرکت کیسے کر بیٹھا اور ایسی عورت سے شادی کر لی جس کے خاندان سے نہ میں واقف تھا اور نہ مجھے اس عورت کے ماضی کا کچھ پتہ تھا، مگر میں نے یہ سب باتیں نظر انداز کر دیں، کیونکہ وہ عورت نہ صرف صورت، بلکہ سیرت کے اعتبار سے بھی لاکھوں میں ایک ہے، اور اگر آپ اس سے ملیں، تو یہی رائے قائم کریں گے۔ خیر، شادی سے ایک روز پہلے ایلسی نے مجھ سے کہا: "دیکھو ہلٹن، اگر تم سچ مچ مجھے چاہتے ہو اور مجھ سے شادی کے خواہش مند ہو، تو ایک بات کا وعدہ کرو، تم میرا ماضی کریدنے کی کوشش نہ کرو گے اور نہ اس بارے میں مجھ سے کچھ پوچھو گے۔ کہو، یہ شرط منظور ہے؟" میں نے وعدہ کرتے ہوئے جواب دیا: "مجھے تم سے غرض ہے، تمہارے ماضی سے نہیں اور میں تم سے کوئی ایسی بات نہ پوچھوں گا جو تم ظاہر کرنا نہ چاہتی ہو، البتہ تم خود ہی کچھ بتا دو گی، وہ علیحدہ بات ہے۔"

رومال سے اپنا چہرہ صاف کرنے کے بعد ہلٹن نے اپنا بیان جاری کیا۔ "وہ شادی ہونے کے بعد ایک سال تک ہم خوش و خرم رہے اور ہمارے درمیان کوئی رنجش یا تکرار کی نوبت نہ آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے پا کر سب کچھ بھول گئی ہے اور یہی حال میرا تھا، لیکن فلک نا ہنجار کو ہماری یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی اور پچھلے مہینے یعنی جون کے اختتام پر یہ عجیب اور پریشان کن معاملہ سامنے آیا۔

"ایک روز میری بیوی کے نام امریکہ سے ایک خط آیا۔ ایلسی یہ خط پڑھ کر انتہائی دہشت زدہ ہوئی اور اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ اس نے خط پڑھا اور پھر اُسے آتش دان کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا۔ میں نے اس سے قطعاً نہیں پوچھا کہ خط کس کا تھا اور اس میں کیا لکھا تھا اور نہ اس نے مجھے کچھ بتانا مناسب سمجھا! تاہم

اُس دن کے بعد سے میں نے محسوس کیا کہ بیچاری ایلسی کے گرد غم و اندوہ اور خوف کے ملے جلے سائے رقص کر رہے ہیں۔ اس کی تمام شوخی اور ساری مسرتیں جیسے گھُٹ کر رہ گئیں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک نامعلوم خطرے کے باعث جو کسی دن بھی نمودار ہو سکتا ہے، اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔ میں بہرحال اس کا شوہر ہوں اور اُسے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتانا چاہیے تھا، لیکن چونکہ میں عہد کر چکا تھا کہ اس سے کوئی بات خود نہ پوچھوں گا، اس لیے میں چپ رہا، تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس کا ماضی خواہ کیسا ہی رہا ہو، بہرحال میری بیوی نیک صفت عورت ہے اور یقیناً وہ کوئی ایسی غلطی نہ کر سکتی تھی جس کے لیے اسے اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے۔

"خیر، اب میں اس کہانی کے ایک نہایت دلچسپ موڑ پر آتا ہوں۔ ایک ہفتے قبل اور یہ غالباً منگل کا دن تھا کہ میں نے صبح کے وقت اپنے مکان کی کھڑکی کے شیشے پر چند ٹیڑھی میڑھی تصویریں دیکھیں۔ بالکل ایسی ہی جیسی اس کاغذ پر آپ کو نظر آتی ہیں یہ تصویریں چاک سے بنائی گئی تھیں۔ میں نے خیال کیا یہ شرارت اصطبل میں کام کرنے والے لونڈے کی ہے، چنانچہ میں نے اُسے بلایا اور پوچھا، وہ قسمیں کھانے لگا کہ اس نے نہیں بنائیں اور نہ وہ کچھ جانتا ہے کہ یہ حرکت کرنے والا کون ہے۔ اس کے بعد میں نے گھر کے اور ملازمین سے پوچھ گچھ کی، مگر سب کا جواب نفی میں تھا۔ یہ سب میرے بھروسے اور اعتماد کے قابل لوگ تھے اور برسوں سے میرے پاس ملازم تھے۔ ان پر زیادہ شک کرنا فضول تھا، تاہم اتنا ضرور پتہ چل گیا کہ یہ بیہودہ تصویریں پیر اور منگل کی درمیانی رات کو کسی نے بنائی ہیں۔ قصہ مختصر میں نے کپڑے سے انہیں صاف کیا، لیکن دوپہر کے کھانے پر جب میں نے اپنی بیوی سے اس واقعے کا ذکر کیا، تو اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، ہونٹ کانپنے لگے اور رنگ سفید پڑ گیا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں مشکل اتنا کہا۔ "خدا کی پناہ! تم نے وہ تصویریں مجھے کیوں نہیں دکھائیں۔ اچھا آئندہ اگر ایسا ہو، تو مجھے ضرور بتا دینا۔" اس کے بعد وہ چُپ ہو گئی اور اس نے کوئی لفظ

زبان سے نہ نکالا۔ چند دن بخیر و عافیت گزر گئے، لیکن کل صبح پھر باغ میں گھومتے ہوئے ایک جگہ مجھے یہ پُرزۂ کاغذ پڑا ملا جو بعد ازاں ڈاک کے ذریعے میں نے آپ کو بھیجا اس کاغذ پر بھی یہی بے معنی سی تصویریں بنی تھیں میں نے یہ پُرزہ ایلسی کو دکھایا تو وہ اسے دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑی۔ اس کے بعد سے اب تک اس کی حالت نہیں سنبھلی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس دنیا سے قطع تعلق کر چکی اور اب کسی اور ہی دنیا کے تصورات میں گم رہتی ہے۔"

"آپ کو فوراً پولیس کے پاس جانا چاہیے تھا۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"پولیس ؟" ہلٹن کے ہونٹوں پر بے جان مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "پولیس کے پاس میں کیا لے جاتا جناب۔ وہ مجھے پاگل سمجھتے اور میرا مذاق اڑاتے۔ یہ معاملہ سوائے مسٹر ہومز کے اور کوئی نہیں سلجھا سکتا۔" اس نے بیتاب ہو کر ہومز کا ہاتھ پکڑا اور ملتجیانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "مسٹر ہومز، میں کوئی امیر آدمی نہیں ہوں۔ لیکن خدا کے لیے میری بیوی کو اس نامعلوم اور پُراسرار عذاب سے نکا لیے۔ میں اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

کمرے میں موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ ہومز پلک جھپکائے بغیر چھت کی طرف تک رہا تھا۔ بالآخر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"مسٹر ہلٹن، اس میں شک نہیں کہ آپ کے گھر میں چند غیر معمولی واقعات رونما ہو رہے ہیں جن کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آپ کے یا آپ کی بیوی کے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوں، تاہم اس کا حل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ کسی طرح اپنا بیوی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ زبان کھولے اور ان پُراسرار تصویروں کے بارے میں کچھ بتائیے۔"

ہلٹن نے اپنی بھاری گردن نفی میں ہلائی۔

"ہرگز نہیں جناب ..... کبھی نہیں ..... میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ماضی کے حالات اُس سے پوچھنے کی کبھی کوشش نہ کروں گا اگر خدا نے چاہا تو زندگی کے آخری

سانس تک میں اپنا عہد نبھاؤں گا۔ وہ خود مجھے بتانا چاہے، تو بتادے، میں اس پر کچھ جبر نہ کروں گا، تاہم میں اپنے ذرائع سے اس کے بارے میں کچھ جاننے کا حق ضرور رکھتا ہوں۔"

"بہر حال مجھے خوشی ہے کہ آپ، اپنے عہد پر جوانمردی سے قائم ہیں۔" ہومز نے کہا۔
"اچھا، یہ بتائیے کہ اس دوران میں کوئی اجنبی شخص آپ کے مکان یا اس کے گرد نواح میں گھومتے پھرتے دیکھا گیا ہے؟"

"جی نہیں، ہمارا علاقہ اتنا گنجان آباد نہیں، وہاں گنتی کے لوگ رہتے ہیں۔ نیا چہرہ تو فوراً پہچانا جاتا ہے۔"

"ان حالات میں جب کہ تفتیش کے لیے ہمارے پاس مواد کافی نہیں، کامیابی مشکل نظر آتی ہے۔" ہومز نے کہا۔ "میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ نارفوک واپس جائیے اور اس بات کی کوشش کیجیے کہ اگر ایسی ہی اور تصویریں کاغذ یا شیشے پر بنی ہوئی آپ کو ملیں تو انہیں مٹانے سے پہلے ان کی نقل اتار کر میرے پاس ضرور بھیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ ان تصویروں کے اندر کوئی پُراسرار پیغام یا اسی قسم کا کوئی مفہوم ضرور چھپا ہوا ہے اور میں اس کی تہ تک پہنچنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ افسوس کہ آپ نے کھڑکی کے شیشے پر چاک سے بنی ہوئی تصویریں مٹا دیں۔ ان کی کاپی کاغذ پر ضرور اتار لینی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیے اور گرد و نواح میں گھوم پھر کر معلوم کیجیے کہ کوئی اجنبی اس طرف دیکھا تو نہیں گیا۔ اگر آپ کو کچھ اور باتیں معلوم ہوں تو تاخیر کے بغیر میرے پاس آیئے۔"

مسٹر کوبٹ ہلٹن سے ہمارا انٹرویو ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کئی دن تک شرلک ہومز کچھ کھویا کھویا اور بے چین سا رہا۔ وہ کاغذ کا پُرزہ اپنے سامنے رکھ کر گھنٹوں غور کرتا اور آپ ہی آپ کچھ حساب لگاتا۔ اس نے مجھے بتانے کی کوشش کی اور نہ میں نے پوچھنا چاہا، کیونکہ میں اس کی طبیعت سے واقف تھا کہ جب تک وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ لے، اپنے معاملات سے مجھے آگاہ نہ کرے گا۔

ایک روز جب کہ میں کسی کام سے باہر جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ہومز نے آواز دی :

" واٹسن، کہاں چلے ؟ ذرا ٹھہرو۔"

"کیوں، کیا بات ہے ؟"

" آج صبح ہلٹن کا تار مجھے ملا ہے۔ ایک ابیس کی گاڑی سے وہ لندن پہنچنے ہی والا ہے۔ اس کے تار سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض نئے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ بس وہ یہاں آتا ہی ہوگا۔"

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد ہمارے مکان کے آگے گھوڑا گاڑی رکنے کی آواز آئی اور پھر چند لمحے بعد ہمارا دوست سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ وہ آتے ہی دھڑام سے ایک کرسی پر گر پڑا اور نہایت کمزور آواز میں بولا

"مسٹر ہومز، یہ معاملہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے۔ میں اسے زیادہ طول نہیں دے سکتا، ورنہ میری بیوی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ چند دنوں کے اندر اندر وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن گئی ہے۔ اس کا منہ ابھی تک بند ہے۔ یہی حال میرا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ میرے اعصاب کس قدر پژمردہ اور بے جان ہو رہے ہیں۔ میرا ذہن ماؤف ہوتا جاتا ہے"

.... اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر آ گئے۔

"بعض اوقات میں محسوس کرتا ہوں کہ ایلسی مجھ سے کہنا تو چاہتی ہے، لیکن کسی اندرونی خوف کے باعث اس کی زبان نہیں کھلتی۔ میں نے کئی بار اس انداز میں بات چھیڑی کہ وہ مجھے اپنا شوہر ہی نہ سمجھے، بلکہ قابلِ اعتماد دوست بھی جانے اور خوشیوں کے علاوہ اپنے غموں میں بھی شریک ہونے کا موقع دے، لیکن اس نے ایک مغموم تبسّم کے پردے میں میری بات ٹال دی۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے کچھ تازہ معلومات حاصل کیں ؟"

"جی ہاں، بہت کچھ۔ میں اپنے ساتھ نہ صرف نئی تصویروں کی نقلیں لایا ہوں، بلکہ میں نے اُس بدمعاش کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔"

"آہ — آپ نے اُسے دیکھ لیا؟" ہومز نے بے تاب ہو کر ہاتھ ملنے شروع کر دیے
براہِ کرم تفصیل سے بتائیے۔ دیکھیے، کوئی معمولی سے معمولی بات بھی پیچھے نہ چھوڑیے
ممکن ہے وہ میرے لیے اہم ہو۔"

"بہت بہتر، میں عرض کرتا ہوں۔" ہلٹن نے داستان سنانے کی تیاری کرتے ہوئے
کہا۔ "جب میں آپ سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر پہنچا، تو اگلی صبح کیا دیکھتا ہوں
کہ باغیچے کے ساتھ واقع ٹول ہاؤس کے سیاہ دروازے پر سفید چاک سے وہی تصویریں
بنی ہوئی ہیں۔ میں نے فوراً ایک کاغذ لیا اور ان کی نقل اتار لی۔ اسے ۔۔۔۔ یہ دیکھیے"
۔۔۔۔ اس نے جیب سے ایک بڑا سا کاغذ نکالا اور ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس پر
کچھ اس قسم کی شکلیں بنی ہوئی تھیں:

"خوب، خوب، آگے چلیے۔" ہومز نے کہا۔

"ان کی نقل تیار کرنے کے بعد میں نے کپڑے سے ان تصویروں کو مٹا دیا۔ دو روز
بعد پھر ایسی ہی تصویروں کا ایک تازہ نمونہ دکھائی دیا اور یہ ہے اس کی نقل۔"

ہومز کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے مضطرب ہو کر ان دونوں نمونوں کو بار بار دیکھا
اور اس کے ہاتھوں کی گردش تیز ہو گئی۔

"اب معاملہ کچھ کچھ واضح ہوتا جا رہا ہے۔" اس نے خوشی سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"یہ دوسرا نمونہ ملنے کے تین دن بعد باغیچے ہی میں دھوپ گھڑی کے قریب مجھے کاغذ
کا ایک اور نمونہ دکھائی دیا۔ اس پر کسی نے یہی شکلیں بنائی تھیں اور کاغذ کو ایک چھوٹے
سے پتھر کے نیچے دبا کر رکھ دیا تھا کہ ہوا سے اُڑ نہ جائے۔ یہ دیکھیے۔"

ہلٹن نے تیسرا کاغذ بھی ہومز کے سامنے رکھ دیا۔

"اب جناب مجھے معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص رات کے وقت باغیچے میں آتا ہے
اور یہ شکلیں بنا کر رفوچکر ہو جاتا ہے، چنانچہ میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کر لیا۔ میں نے

اپنی بیوی کو کچھ نہ بتایا، بلکہ شام کا کھانا کھا کر چپکے سے اپنی سٹڈی میں گیا اور کھڑکی کے پاس ریوالور لے کر بیٹھ گیا۔ وہاں سے باغیچہ اور لان صاف نظر آتا ہے اور کوئی شخص بھی میری نظروں سے بچ کر جا نہیں سکتا۔ رات اگرچہ انتہائی سرد اور تاریک تھی، تاہم میں استقلال سے بیٹھا رہا۔ پچھلے پہر چاند نکلا اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی میں باغیچے اور لان کا پورا منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ ٹھیک دو بجے تھے کہ میں نے سٹڈی روم میں قدموں کی چاپ سنی۔ حیرت سے مڑ کر دیکھا، تو میری بیوی تھی۔ اس نے ڈریسنگ گون پہن رکھا تھا اور بالکل ایک لاش کی مانند آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ وہ میرے قریب آئی اور بولی:

"آپ یہاں کب تک بیٹھے رہیں گے، چلیے آرام کیجیے۔"

"تم جاؤ، میں اب اس بدمعاش کا سراغ لگا کر رہوں گا جس نے ہمارا سکون چھین لیا ہے۔"

"کوئی پاگل ہوگا جو ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ اس کا زیادہ نوٹس نہیں لینا چاہیے۔"

ایلسی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا شانہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ایک لمحے کے لیے میں نے اس کی طرف دیکھا۔ بدنصیب عورت کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی مانند سفید تھا اور وہ ٹکٹکی باندھے باغیچے کی طرف تک رہی تھی۔ میں نے اس کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ کیا دیکھتا ہوں ٹول ہاؤس کے قریب ایک انسانی سایہ جس نے سرتاپا سیاہ لبادہ اوڑھ رکھا تھا، دبے پاؤں چل رہا ہے پھر وہ دروازے کے سامنے پہنچ کر رکا۔ اسے دیکھتے ہی میرے جنون اور غصے کی انتہا نہ رہی۔ میں نے پستول سنبھالا، کرسی سے اٹھا اور باہر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ایلسی نے مجھے پکڑ لیا اور رو رو کر منتیں کرنے لگی کہ خدا کے واسطے وہاں نہ جاؤ۔ میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی بڑی کوشش کی۔ مگر ایلسی میری ٹانگوں سے چمٹ گئی۔ اسی جدوجہد میں کئی منٹ گزر گئے۔ آخر میں نے اسے دھکا دے کر ایک طرف پھینکا اور دیوانہ وار دوڑتا ہوا ٹول ہاؤس کے قریب گیا، مگر اتنی دیر میں وہ موذی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ جاتے جاتے بھی وہ چاک سے دروازے پر رقص کرتی ہوئی چند تصویریں

بنا گیا تھا۔ میں نے کاغذ پر ان کی نقل اتار لی۔ میں نے اسے خاصی دیر ادِھر اُدھر تلاش کیا، مگر وہ تو جیسے فضا میں تحلیل ہو گیا۔ لیکن مسٹر ہومز حقیقت یہ تھی کہ وہ رات کا بقیہ حصہ اسی باغ میں کہیں چھپا رہا، کیونکہ صبح سویرے جب میں ٹول ہاؤس کے پاس سے گزرا، تو دروازے پر پہلے سے بنی ہوئی شکلوں کے عین نیچے اس نے چند نئی شکلیں اور بنا دی تھیں۔ دیکھیے، یہ ہے ان کی نقل۔"

ہومز نے گہری اور اشتیاق بھری نظروں سے ان شکلوں کا معائنہ کیا اس کی خوبصورت کشادہ پیشانی پر ایک ثانیے کے لیے غور و فکر کی علامات نمودار ہوئیں، مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اس کاغذ کو بھی احتیاط سے تہہ کر کے جیب میں رکھا اور ہلٹن سے کہنے لگا۔

"کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ شکلیں اس نامعلوم شخص نے ٹول ہاؤس کے اسی دروازے پر بنائی تھیں جہاں اس سے پہلے بھی بنا چکا تھا؟"

ہلٹن نے کچھ سوچا، پھر بولا: "میرا خیال ہے دروازہ تو وہی تھا، مگر اب یاد آتا ہے کہ یہ تازہ شکلیں اس نے اس دروازے کے دوسرے کواڑ پر بنائی تھیں۔"

"خوب، خوب،" ہومز نے حسبِ معمول ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ازراہِ کرم اپنا انتہائی دلچسپ بیان جاری رکھیے۔"

"مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا۔" ہلٹن نے جواب دیا۔ "سوائے اس کے کہ میں ایلسی پر سخت ناراض ہوا محض اس کی وجہ سے وہ بدمعاش بچ کر نکل گیا۔ ایلسی نے کہا "مجھے روکنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ کہیں وہ شخص میرے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائے۔ اس کی اس بات سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ایلسی ضرور اس مردِ پُراسرار کو جانتی ہے اس نے مجھے اس لیے نہیں روکا کہ اُسے میری جان کا خطرہ تھا، بلکہ وہ مجھ سے اس شخص کو بچانا چاہتی تھی، کیونکہ بہرحال پستول میرے پاس تھا۔ اب بتائیے مسٹر ہومز، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے یہ بھی سوچا ہے کہ اپنے فارم پر کام کرنے والے دس بارہ آدمیوں کو نگرانی پر لگا دوں اور جونہی وہ بدمعاش دوبارہ وہاں آئے میرے آدمی مار مار کر اس

حلیہ بگاڑ دیں ۔"

"جی نہیں، ایسا نہ کیجیے، اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا" ہومز نے سوچتے ہوئے کہا "اچھا، یہ بتائیے آپ لندن میں زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ قیام کر سکتے ہیں۔؟"

"میں بالکل نہیں ٹھہر سکتا، مجھے فوراً واپس جانا چاہیئے۔ میں ایلسی کو اور وہ بھی ان حالات میں، رات بھر تنہا ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کی حالت بڑی ابتر ہے۔ جب میں آپ کے پاس آ رہا تھا، تو اس نے بھیگی آنکھوں سے التجا کی تھی کہ جلد واپس آ جاؤں۔"

"ٹھیک ہے" ہومز نے کہا۔ "آپ کا واپس چلے جانا ہی بہتر ہے، تاہم میرا ارادہ تھا کہ آپ ایک دو دن لندن میں رہتے، پھر میں آپ کے ساتھ ہی نارفوک چلتا۔ یہ کاغذ یہیں چھوڑ جائیے، میں ان پر غور کروں گا۔ ممکن ہے کچھ اور باتیں معلوم ہو سکیں۔"

ہلٹن کے رخصت ہوتے ہی شرلک ہومز نے تمام کاغذ میز پر پھیلا دیے اور ان عجیب و غریب شکلوں پر غور کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے علیحدہ کاغذ پر کچھ لکھنا شروع کیا۔ کبھی اس کا چہرہ کسی نامعلوم دریافت پر فرطِ مسرت سے روشن ہو جاتا اور کبھی اس کی پیشانی پر غور و فکر کی گہری لکیریں نمودار ہوتیں۔ کامل دو گھنٹے وہ اس کام میں ایسا منہمک رہا کہ میری موجودگی بھی فراموش کر بیٹھا۔ کاغذوں پر الٹے سیدھے حروف ہندسے اور نہ جانے کیا کیا بناتا اور کاٹتا رہا۔ آخر کار وہ کرسی سے اٹھا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ یکایک وہ رکا اور کاغذ کے ایک پرزے پر کچھ لکھتے ہوئے بولا:

"اگر اس تار کا جواب میری توقع کے مطابق آ گیا، تو یہ پُراسرار معما حل ہو جائے گا اور شاید ہمیں کل صبح نارفوک جانا پڑے۔"

میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا، لیکن اس کی معیت میں اتنے عرصے رہنے کے باوجود میں اس کا اچھی طرح مزاج داں بن چکا تھا اور جانتا تھا کہ وہ اُس وقت تک کچھ نہ بتائے گا جب تک خود کسی آخری فیصلے پر نہیں پہنچ جاتا۔

دو دن گزر گئے، تار کا کوئی جواب نہ آیا اور ہومز کی حالت اُس بے چین اور مضطرب شکاری کتے کی سی ہو گئی جو اپنے شکار کی بو پا لیتا ہے لیکن اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ جونہی گھنٹی بجتی وہ دوڑ کر دروازے تک جاتا مگر بے سود ۔۔ تیسرے دن شام کی ڈاک میں ہلٹن کوبٹ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ ابھی تک کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی، البتہ دھوپ گھڑی پر چند اور شکلیں بنی دیکھی گئی ہیں، جن کی نقل بھیج رہا ہوں ۔ وہ شکلیں یہ تھیں :

ہومز نے غور سے ان شکلوں کو دیکھا اور پھر اس کی حالت میں ایک عجیب تغیر رُونما ہوا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا ایک جاتا تھا۔

"واٹسن، غضب ہو گیا ۔ ۔ ۔ میں نے اپنی حماقت سے اتنی تاخیر کر دی۔ ذرا دیکھنا رات کو کوئی ٹرین نارتھ واشہام کی طرف جاتی ہے۔"

میں نے ٹائم ٹیبل کی ورق گردانی کی۔ معلوم ہوا تھوڑی دیر پہلے آخری ٹرین جا چکی ہے

"پھر ہم علی الصبح پہلی ٹرین پکڑیں گے۔" ہومز نے کہا۔ "مسز ہڈسن سے کہہ دو کہ ناشتہ بہت سویرے ہمیں دے دے۔"

مسز ہڈسن ہاتھ میں تار کا کاغذ لیے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ہومز چلایا:

"آہ، جواب آ گیا۔" اس نے مسز ہڈسن کے ہاتھ سے تار چھین لیا۔ اس پر سرسری نظر ڈالی "پیارے واٹسن، اب ہمارا نارفوک پہنچنا بے حد ضروری ہے"

... بے حد ضروری ... جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، اس کی تصدیق اس تار نے کر دی ہے ... خدا خیر کرے .... ہمارا دوست ہلٹن کوبٹ ایک خطرناک اور انتہائی مہلک جال میں پھنس گیا ہے .... خدا خیر کرے۔"

سورج نکلنے سے پہلے ہم نے ناشتہ کیا، گاڑی پکڑی اور نارتھ والشہام کے سٹیشن پر اتر گئے۔ یکایک سٹیشن ماسٹر تیز تیز چلتا ہوا ہماری جانب آیا۔

"کیا آپ وہی جاسوس حضرات ہیں جو لندن سے تشریف لائے ہیں؟" اس نے پوچھا اور میں نے دیکھا کہ ہومز کا چہرہ کسی اندرونی تکلیف کے باعث مسخ ہو گیا۔ اس نے کہا:

"آپ نے کیسے خیال کیا کہ ہم جاسوس ہیں؟"

"معاف کیجیے، یہ میرا اندازہ تھا۔" سٹیشن ماسٹر نے بوکھلا کر کہا "ممکن ہے آپ سرجن ہوں ... بہر حال نارویچ کا پولیس انسپکٹر مارٹن تھوڑی دیر پہلے مجھ سے مل کر گیا ہے .... عورت ابھی تک مری نہیں .... شاید آپ بروقت پہنچ کر اسے بچا لیں ... لیکن پھانسی کے پھندے سے بچانا ذرا مشکل ہو گا۔"

فرطِ حیرت سے، ہومز کی بھویں تن گئیں۔ سٹیشن ماسٹر نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

"لوگ کہتے ہیں کہ پہلے مسز ہلٹن نے اپنے خاوند پر گولی چلائی، پھر خود کو گولی مار کر زخمی کر لیا۔ مسٹر ہلٹن تو موقعے ہی پر مر گئے اور مسز ہلٹن جاں کنی کی کیفیت سے گزر رہی ہیں۔ افسوس .... افسوس .... نارفوک کا یہ سب سے معزز اور قدیم خاندان تھا۔"

ایک لفظ کہے بغیر ہومز نے میرا بازو پکڑا اور گھسیٹتا ہوا گھوڑا گاڑی کی طرف لے گیا۔ رائڈنگ تھارپ تک سات میل کا فاصلہ ہم نے بالکل خاموشی سے طے کیا۔ وہ اپنی سیٹ پر قدرے بیٹھا اور لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں

اور چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی۔

راؤنڈ ٹنگ تھارپ کے صدر دروازے پر پستہ قامت، مومی مونچھوں اور پھولے ہوئے سرخ چہرے کے چاق چوبند انسپکٹر مارٹن نے ہمارا استقبال کیا۔ ہومز کا نام سنتے ہی وہ حیرت اور احترام کی ملی جلی نظروں سے اسے تکنے لگا۔

"آہ... مسٹر ہومز، آپ سے یہ غیر متوقع ملاقات میرے لیے باعثِ فخر ہے۔" اس نے کہا۔ "مگر مجھے حیرت ہے کہ اس حادثے کی خبر آپ تک اتنی جلدی پہنچی کیسے اور پھر تعجب یہ ہے کہ آپ لندن سے یہاں آبھی گئے... کمال ہے....."

"حادثہ کس وقت ہوا؟" ہومز نے پوچھا۔

"آج تین بجے صبح... لیکن...." مارٹن نے بے صبری سے کہا۔ مگر ہومز اس کی بات کاٹ کر بولا:

"میں دراصل اس حادثے کو رد کرنے کے لیے ہی یہاں آرہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے سٹیشن ماسٹر نے بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔ بہرحال تم نے کچھ نہ کچھ شہادتیں تو جمع کرلی ہوں گی۔ اب یہ بتاؤ کیا تم میرے ساتھ مل جل کر تفتیش کرو گے یا الگ ہو کر؟"

"مسٹر ہومز، مجھے آپ کے ساتھ شریک ہو کر بے حد خوشی ہوگی۔"

"ٹھیک... تو پھر اس صورت میں کسی تاخیر کے بغیر میں شہادتیں سننا اور جائے حادثہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عین اسی وقت مکان میں سے ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں بیگ لیے باہر نکلا معلوم ہوا کہ وہ قصبے کا پرانا سرجن ہے۔ اس نے بتایا اگرچہ مسز ہلٹن کے زخم خطرناک ہیں، تاہم اتنے مہلک نہیں۔ ان کے بچ جانے کا امکان ہے۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئیں۔ گولی ان کی کھوپڑی کے ایک حصے میں لگی اور وہیں رہ گئی۔ ہومز کے اس سوال پر کہ مسٹر ہلٹن کو گولی ماری گئی ہے یا انھوں نے خود ہی اپنے کو نشانہ بنایا ہے، بڈھے سرجن نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اصل واقعہ کیا ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ گولی

نہایت قریب سے چلائی گئی ہے۔ کمرے میں صرف ایک ہی پستول پایا گیا ہے جس کے دو بیرل خالی ہیں۔ مسٹر ہلٹن کیوبٹ کے دل پر گولی لگی اور وہ اسی وقت مر گئے۔ میری رائے میں معاملہ کچھ یوں ہے کہ پہلے مسٹر ہلٹن نے اپنی بیوی پر فائر کیا اور بعد ازاں اپنے سینے پر پستول کی نالی رکھ کر گھوڑا دبا دیا۔ یہ بات بھی حیران کن ہے کہ پستول ان دونوں کے درمیان پڑا پایا گیا۔"

"کیا مسٹر ہلٹن کیوبٹ کی لاش اپنی جگہ سے ہٹائی جا چکی ہے؟" ہومز نے پوچھا۔

"مسز ہلٹن کے سوا ہم نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا۔" سرجن نے جواب دیا۔ "انہیں یوں بھی اٹھانا پڑا کہ وہ وہاں یقیناً مر جاتیں۔"

"آپ یہاں کتنی دیر سے ہیں؟"

"میں صبح چار بجے آیا تھا۔"

"آپ کے علاوہ کوئی اور بھی یہاں تھا؟"

"جی ہاں، ایک پولیس کانسٹیبل۔"

"آپ نے کسی چیز کو چھوا تو نہیں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"آپ کو یہاں بلایا کس نے تھا؟"

"گھر کی خادمہ نے" سرجن نے جواب دیا۔ "غالباً اس کا نام سنڈرز ہے۔"

"کیا واردات کی خبر سب سے پہلے اسی خادمہ کو ہوئی تھی؟"

"جی ہاں اور مسز کنگ کو بھی۔ وہ باورچن ہے۔"

"اب یہ دونوں عورتیں کہاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے باورچی خانے میں ہوں گی۔"

"ہوں۔۔۔" ہومز نے سوچتے ہوئے کہا۔ "مناسب ہو گا کہ ہم پہلے انہی کی زبانی سارا قصہ سنیں۔"

بڑے ہال کمرے میں ہومز نے باقاعدہ عدالت لگائی اور شاہ بلوط کی بنی ہوئی ایک

شاندار کرسی پر بیٹھ کر کاروائی شروع کردی۔ خادماؤں کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ رات کے آخری حصے میں جب کہ وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں بستر پر محوِ خواب تھیں، اچانک ایک دھماکے سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ایک منٹ بعد دوسرا دھماکہ ہوا۔ سب سے پہلے مسز کنگ اپنے کمرے سے نکلی اور سنڈرز سے پوچھنے کے لیے اس کے کمرے میں گئی کہ یہ آواز کیسی تھی۔ ان کے کمرے اوپر کی منزل میں ہیں اور آواز نچلی منزل سے آئی تھی، چنانچہ وہ دونوں نیچے آئیں اور دیکھا کہ سٹڈی روم کا دروازہ کھلا ہے اور میز پر ایک موم بتی جل رہی ہے۔ انہوں نے کمرے میں جھانکا مسٹر ہلٹن کو بٹ فرش پر اوندھے منہ گرے نظر آئے۔ اس وقت وہ مر چکے تھے۔ کھڑکی کے نزدیک مسز ہلٹن پڑی تھیں۔ کھڑکی بند تھی اور اس کی چٹخنی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ خادماؤں کے شور مچانے پر اصطبل میں کام کرنے والا لڑکا اور چوکیدار دونوں آئے اور ان سب نے مل جل کر مسز ہلٹن کو اٹھا کر ان کے کمرے میں پہنچایا اور پھر پولیس کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ سٹڈی روم کی کوئی چیز نہ ٹوٹی تھی نہ غائب تھی اور نہ کسی شے کو چھیڑا گیا تھا۔ مسٹر ہلٹن نے شب خوابی کے لباس پر ڈریسنگ گون پہن رکھا تھا، لیکن یہ بات حیرت انگیز تھی کہ مسز ہلٹن اپنے پورے لباس میں تھیں، حالانکہ انہیں بھی معمول کے مطابق شب خوابی کے لباس میں ہونا چاہیے تھا۔ خادماؤں نے اقرار کیا کہ انہوں نے کبھی میاں بیوی کو آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ وہ ایک دوسرے کو جان سے زیادہ چاہتے تھے اور پورے قصبے میں ایسا مثالی جوڑا اور کوئی نہ تھا۔

انسپکٹر مارٹن کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے دونوں عورتوں نے بتایا کہ رات کو مکان کا ہر دروازہ اور ہر کھڑکی اندر سے اچھی طرح بند کر دی جاتی ہے اور اس رات بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ واردات کے بعد تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند تھیں، اس لیے اوّل تو کوئی شخص باہر سے مکان میں آ نہیں سکتا اور فرض کیجیے، وہ پہلے سے آن کر چھپا رہا، تو پھر گیا کدھر سے؟ جبکہ

صبح کے وقت تمام دروازے اور کھڑکیاں بدستور اندر سے بند تھیں۔

"بارود کی بُو تم میں سے کس نے پہلے محسوس کی؟" ہومز نے پوچھا۔

دونوں خادماؤں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگیں:

"جناب، یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے کمرے اوپر کی منزل میں ہیں اور سٹڈی روم نچلی منزل میں، لیکن دھماکا ہونے کے فوراً بعد جب ہم دریافت حال کے لیے نیچے آنے لگیں، تو اُسی وقت بارود کی بُو ہم نے محسوس کر لی تھی۔"

"آہ . . . ." ہومز نے بے چینی سے ہاتھ ملنے شروع کر دیے۔ پھر وہ انسپکٹر مارٹن سے بولا۔ "انسپکٹر، اپنی تفتیش میں یہ نکتہ یاد رکھنا، یہ بڑا اہم ہے۔"

انسپکٹر نے حماقت آمیز انداز میں گردن یوں ہلائی جیسے وہ ہومز کا مطلب سمجھ گیا ہے، حالانکہ بے چارا میری طرح بالکل کورا تھا۔

خادماؤں کے بعد چوکیدار اور اصطبل والے لڑکے سے چند سوال کرنے کے بعد ہومز اٹھ کھڑا ہوا:

"آئیے، اب ذرا سٹڈی روم کو بھی دیکھ لیں۔"

سٹڈی روم کچھ زیادہ وسیع و عریض نہ تھا۔ اس کے ایک جانب کتابوں سے بھری ہوئی تین الماریاں کھڑی تھیں۔ کھڑکی کے ساتھ ہی ایک رائیٹنگ ٹیبل اور کرسی پڑی تھی۔ یہاں سے باہر باغیچے کا چپہ چپہ بخوبی نظر آتا تھا۔ بدنصیب ہلٹن کوبٹ کی لاش کمرے کے عین درمیان میں پڑی تھی۔ اس کا بے ترتیب اور مڑا تڑا شب خوابی کا لباس ظاہر کرتا تھا کہ کس قدر افراتفری میں بستر سے اٹھ کر یہاں آیا ہوگا۔ فائر سامنے سے ہوا اور گولی اس کا سینہ چیرتی ہوئی دل میں پیوست ہو گئی۔ موت فوراً ہی واقع ہوئی۔ اس کے ڈریسنگ گاؤن اور ہاتھوں پر بارود کی بُو یا نشان قطعی نہ تھا۔ بڈھے سرجن کا کہنا تھا کہ مسز ہلٹن کے چہرے پر تو بارود کے نشانات موجود تھے، لیکن اس کے ہاتھ بالکل صاف تھے۔

چند منٹ تک کمرے کی ہر شے کا بغور معائنہ کرنے کے بعد ہومز نے لاش اٹھانے

کی اجازت دے دی، پھر اس نے سرجن سے پوچھا:

"ڈاکٹر، کیا آپ نے وہ گولی مسز ہلٹن کے جسم سے نکال لی جس نے انہیں زخمی کیا ہے"؟

"جی نہیں، اس کے لیے خاصے اہم آپریشن کی ضرورت ہے۔ پستول میں ابھی تک چار گولیاں موجود ہیں اور دو چلائی گئی ہیں۔"

"معلوم تو فی الحال ایسا ہی ہوتا ہے۔" ہومز نے کہا۔ "مگر آپ اس گولی کو کہاں لے جائیں گے جو یہاں آن کر ٹکرائی ہے؟" میں نے اس کی لمبی پتلی انگشتِ شہادت کے زاویے پر نگاہ دوڑائی۔ وہ کھڑکی کے نچلے شیشے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ شیشے میں ایک سوراخ نظر آیا۔

"خدا کی پناہ۔" انسپکٹر مارٹن چلایا۔ "گولی شیشہ توڑ کر نکل گئی اور ہم نے پہلے اسے نہیں دیکھا۔" ہومز کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ سرجن تصویرِ حیرت بنا کھڑا تھا۔ آخر اس نے کہا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مسٹر ہومز، تیسرا فائر بھی یقیناً کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ واردات کے وقت کوئی تیسرا فرد یہاں موجود تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ تھا کون اور مکان سے باہر کیونکر گیا؟"

"یہی معمّا تو ہم حل کریں گے۔" ہومز نے کہا۔ "انسپکٹر مارٹن، آپ وہ نکتہ ذہن میں رکھیے کہ خادمائیں جب اپنے اپنے کمروں سے نکلیں، تو اسی وقت انہوں نے بارود کی بُو سونگھ لی تھی۔ یہ نکتہ نہایت اہم ہے۔"

"مگر... میں سمجھ نہیں سکا کہ آخر اس نکتے کا واردات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو سامنے کی بات ہے انسپکٹر۔" ہومز نے کہنا شروع کیا۔
"مجھے یقین ہے کہ فائرنگ کے وقت کمرے کا دروازہ بھی کھلا تھا اور کھڑکی

بھی اور اسی لیے بارود کی بُو فوراً دوسری منزل تک پہنچ گئی تھی، لیکن فوراً ہی انہیں بند کر دیا گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ کوئی تیسرا فرد بھی اس واردات میں ملوث ہے جو غالباً کھڑکی کے باہر کھڑا تھا اور۔۔۔۔۔"

"مگر میں پوچھتا ہوں جناب، پھر دروازہ اور کھڑکی اندر سے کس نے بند کی؟" سرجن نے کہا۔

"مسز ہلٹن نے۔" ہومز نے مسکرا کر کہا اور ابھی سننے والوں کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے کہ ہومز نے میز پر پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے زنانہ ہینڈ بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کہاں سے آیا؟" اس نے بیگ اٹھا لیا۔ یہ مگرمچھ کی کھال کا بنا ہوا نہایت قیمتی اور خوبصورت بیگ تھا۔ ہومز نے بیگ کھولا اور اسے میز پر الٹ دیا۔ اس میں بنک آف انگلینڈ کے پچاس پونڈ مالیت کے بیس نوٹوں کی ایک گڈی تھی اور یہ گڈی ربڑ کے ایک تسمے سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے بیگ انسپکٹر کی طرف اچھال کر کہا۔ "اسے سنبھال لیجئے، مقدمے کے دوران میں اس کی ضرورت پڑے گی۔ اب میں مسز کنگ باورچن سے چند باتیں اور پوچھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"ہاں تو مسز کنگ، آپ نے بتایا ہے کہ رات کے وقت ایک زبردست دھماکا سن کر آپ کی آنکھ کھلی۔ یہ بتایئے کہ دوسرے دھماکے کی نسبت کیا پہلا دھماکا زیادہ زور کا تھا؟"

"ار۔۔۔۔ جناب۔۔۔۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔۔۔۔" مسز کنگ نے ہکلا کر کہا۔ "آواز بڑی زوردار تھی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں فائر بیک وقت کیے گئے اور ان کی ملی جلی آواز آپ نے سنی ہو؟"

"آ۔۔۔۔ جناب میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔"

"بہرحال۔۔۔۔ بہرحال۔۔۔۔ مجھے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ دو فائر

دو پستولوں سے ایک ہی لمحے میں کئے گئے۔۔۔۔ آیئے انسپکٹر، اب ذرا باغیچے کو بھی ایک نظر دیکھ لیں۔"

سٹڈی روم کی کھڑکی کے عین نیچے پھولوں کی کیاریاں تھیں اور ان سے ایک نظر دیکھتے ہی پتہ چل گیا، پودے کچلے ہوئے ہیں۔ نرم گیلی مٹی پر مردانہ انسانی قدموں کے نشان واضح طور پر پھیلے دکھائی دیے۔ یکایک ہومز کے منہ سے کلمۂ تحیر بلند ہوا اور اس نے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ پیتل کا بنا ہوا سائلنسر تھا جو پستول پر اس لیے چڑھایا جاتا ہے کہ فائر کرتے وقت آواز زیادہ نہ نکلے۔

"مجھے پہلے ہی اس چیز کی تلاش تھی۔" ہومز نے کہا۔ "لیجیے انسپکٹر کیس مکمل ہو گیا۔" دیہاتی انسپکٹر کا چہرہ فرطِ حیرت سے عجیب سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ اب وہ میرے ساتھی کو کوئی جادوگر سمجھتے ہوئے بلا چون و چرا اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے مستعد نظر آنے لگا۔ آخر انسپکٹر نے زبان کھولی:

"آپ کا شک کس پر ہے جناب؟"

"آہ۔۔۔ یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی چند کڑیاں ایسی ہیں جنہیں آپس میں ملانا ضروری ہے۔ اب مجھے اس لمحے کا انتظار ہے جب مسز ہلٹن ہوش میں آ کر گزشتہ رات کے ہنگامے پر اپنی زبان سے روشنی ڈال سکیں گی فی الحال تو مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا گردونواح میں کوئی سرائے "ایلرج" کے نام سے مشہور ہے؟"

حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نفی میں گردنیں ہلائیں، لیکن اصطبل میں کام کرنے والے لڑکے کے چہرے پر کچھ رونق پیدا ہوئی۔ "جناب اس نام کی کوئی سرائے تو نہیں، البتہ ایسٹ رسٹن کے مقام پر یہاں سے چند میل دور اس نام کا فارم ضرور ہے۔"

"کیا ایلرج فارم کسی غیر آباد حصے میں ہے؟"

"جی ہاں، وہاں تو دُور دُور تک آبادی نہیں۔"

"اس واردات کی خبر ابھی وہاں تو نہیں پہنچی ہوگی؟"

"میرا خیال ہے نہیں پہنچی ہوگی۔"

ہومز نے چند ثانیے کے لیے کچھ سوچا، اس کے لبوں پر ایک پُر اسرار تبسم پھیل گیا۔ ذرا جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں جاؤ اور میرا یہ رقعہ ایلرج فارم کے ایک شخص تک پہنچا دو۔" یہ کہہ کر ہومز نے اپنی جیب سے وہی پرزے نکالے جن پر رقص کرتی ہوئی الٹی سیدھی شکلیں بنی تھیں اور سٹڈی روم کی میز پر بیٹھ کر ایک علیحدہ کاغذ پر کچھ لکھا اور لڑکے کو دیتے ہوئے ہدایت کی۔

"یہ رقعہ اس شخص کے سوا کسی اور ہرگز نہ دینا جس کا نام میں نے اس پر لکھا ہے اور جو کچھ وہ پوچھے، اس کا ہرگز ہرگز جواب نہ دینا۔ کہہ دینا مجھے کچھ معلوم نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سمجھے؟" لڑکے نے اثبات میں گردن ہلائی اور رقعہ ہومز سے لے لیا۔ ایک ثانیے کے لیے میری نظر اس رقعے کی پشت پر پڑی۔ ہومز نے دانستہ اپنی تحریر بگاڑ کر عجیب انداز میں یہ پتہ لکھا تھا۔

مسٹر ایبے سلینی، ایلرج فارم، ایسٹ رسٹن، نارفوک۔

لڑکے کے جانے کے بعد ہومز نے انسپکٹر مارٹن سے کہا: "بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے تھانے سے کوئی تگڑا سا اور دلیر سپاہی اور بلوالیں، کیونکہ جس مجرم کو آپ پکڑ کر حوالات میں لے جائیں گے، وہ خاصا قوی ہیکل اور خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" اس کے بعد وہ گھر کے نوکروں کی طرف مخاطب ہوا: "میں ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھتا ہوں، اس دوران میں کوئی شخص مسز ہلٹن کے بارے میں پوچھنے آئے، تو اسے ہرگز ان کی حالت کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے، بلکہ اسے فوراً ڈرائنگ روم میں بھیج دیا جائے۔" پھر وہ مجھ سے کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے واٹسن، دوپہر تک ہم اس کام سے فارغ ہو کر لندن جانے والی ٹرین پکڑ چکے ہوں گے۔"

انسپکٹر مارٹن نے ایک آدمی کو تھانے کی طرف روانہ کیا جو کئی میل دور تھا تاکہ کسی سپاہی کو بلا لائے، اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نہایت مضطرب اور بے چین ہے، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور مسٹر شرلک ہومز آخر کس طرح قاتل کو گھر بیٹھے پکڑ سکتے ہیں، لیکن ہومز کے پُر اسرار طور طریقوں کی اتنی ہیبت اس کے دل پر بیٹھ چکی تھی کہ بے چارہ زبان کھولتے ہوئے ڈرتا تھا اور سچ پوچھیے، تو کچھ ایسی ہی کیفیت میری تھی۔ ہومز نے غالباً اس صورتِ حال کو بھانپ لیا۔ ایک صوفے پر بیٹھ کر اس نے اطمینان سے اپنا پائپ سلگایا، جیب سے وہی پرزے نکالے جن پر رقص کرتی ہوئی شکلیں بنی تھیں اور مسکرا کر کہنے لگا:

ڈاکٹر واٹسن اور میرے عزیز انسپکٹر مارٹن، معاف کرنا میں نے آپ کو ابھی تک اس واردات کے انتہائی دلچسپ حصّے سے آگاہ نہیں کیا، بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ میں اس راز کو عیاں کر دوں۔ ذرا نزدیک آجائیے اور ان شکلوں کو غور سے دیکھیے ۔ ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر واٹسن کا خیال تھا کہ یہ شکلیں کسی بچے نے یونہی بنا دی ہیں اور بلاشبہ بادی النظر میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ شکلیں ایک عجیب قسم کی خفیہ تحریریں ہیں اور جس شخص نے بھی پیغام رسانی کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہے، میں اس کی بے پناہ ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر واٹسن خوب جانتے ہیں کہ میں خفیہ تحریریں پڑھنے میں کس قدر مشتاق ہوں اور اب تک اس قسم کی ایک سو ساٹھ تحریریں پڑھ چکا ہوں، بلکہ بعض تحریریں میں نے ایجاد بھی کی ہیں۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان شکلوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا اور میں اس فن میں اپنے آپ کو مبتدی سمجھنے لگا۔ آنجہانی مسٹر ہلٹن نے جب ڈاک کے ذریعے مجھے سب سے پہلا کاغذ بھیجا، تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا، یہ کوئی پیغام ہے جسے کسی عیار شخص نے

اس طرز میں لکھا ہے کہ دیکھنے والا اسے بچوں کی بنائی ہوئی تصویریں ہی سمجھے گا بہر حال میں نے ان شکلوں پر غور کیا، تو احساس ہوا کہ ان میں سے ہر شکل انگریزی حروفِ تہجی کے طور پر استعمال کی گئی ہے، مگر یہ پتہ چلانا بے حد دشوار تھا کہ کون سی شکل کس حرف کی نمائندگی کرتی ہے۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل ان پر مغز ماری کرتا رہا۔ یکایک احساس ہوا کہ ان شکلوں میں سے ایک شکل کم از کم ایسی ضرور ہے جس پر انگریزی حرف (E) کا اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ شکل یہ تھی اب آپ پوچھیں گے کہ میں نے اس شکل کو (E) کیوں سمجھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انگریزی زبان میں حرف ای (E) سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایک معمولی اور مختصر سے جملے میں بھی آپ دیکھیں گے کہ حرف (E) ضرور کسی نہ کسی لفظ میں آ ہی جاتا ہے۔ سب سے پہلے کاغذ کا جو پرزہ مجھے مسٹر ہلٹن نے بھیجا، اس میں بھی یہی صورت تھی اور چار شکلیں بالکل ایک جیسی تھیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ شکل حرف (E) کی نمائندگی کرتی ہے۔ البتہ ایک الجھن یہ ضرور تھی کہ بعض شکلوں کے ہاتھ میں جھنڈے تھے اور بعض کے ہاتھ میں نہیں تھے، مثلاً: غور کرنے سے احساس ہوا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ جھنڈے کا یہ نشان لفظ کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔"

"واہ وا!..... کیا کہنے ہیں مسٹر ہومز۔" انسپکٹر مارٹن حیرت سے چلّایا۔

"لیکن اس کے آگے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون سی شکل کس حرف کی جگہ استعمال کی گئی ہے۔" ہومز نے کہنا شروع کیا۔ "اسی لیے میں نے ہلٹن کو بٹ کو ہدایت کی کہ جونہی چند نئی شکلیں انہیں دکھائی دیں، وہ ان کی نقل اتار کر مجھے بھجوا دیں۔ قصہ مختصر کئی دن کی مسلسل مغز ماری کے بعد کامیابی کی صورت نظر آئی میں نے اس کے عدد: این وی آر، ایس، ایچ، ڈی، ایل، ٹی، اے اور او کا سراغ پا لیا اور پھر جو ان شکلوں پر غور کیا، تو بامعنی الفاظ بنتے چلے گئے۔ ان الفاظ کے مطابق

کسی شخص ایبے سلینی نے ایلسی کو پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ فوراً اس سے آن کر نہ ملی، تو نہایت خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ چونکہ ہلٹن پہلی ملاقات میں مجھے بتا چکا تھا کہ اس کی بیوی کے نام ایک خط امریکہ سے آیا تھا، اس لیے فوراً ذہن میں یہ خیال آیا کہ دھمکی آمیز پیغام اسی بدمعاش امریکی ہی کا ہو سکتا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ امریکی شخص ایبے سلینی، ہلٹن کی بیوی کے ماضی سے آگاہ ہے اور اس شریف عورت کو بلیک میل کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس موقع پر عورت کو چاہیے تھا کہ شوہر کو اپنے اعتماد میں لیتی، لیکن افسوس نامعلوم وجوہ کے باعث وہ ایسا نہ کر سکی، بہرحال میں نے نیویارک پولیس بیورو کے ایک سراغرساں ولسن ہارگرو کو تار دیا۔ یہ شخص میرا گہرا دوست ہے اور میں نے ایک کیس میں اس کی کچھ مدد کی تھی۔ میں نے ولسن ہارگریو سے یہ پوچھا تھا کہ کیا ایبے سلینی نام کے کسی غنڈے کی شیٹ نیویارک پولیس کے پاس ہے؟ دو دن بعد اس کا جواب آیا۔ یہ ہے وہ تار۔"

ہومز نے تار کا کاغذ تپائی پر رکھ دیا۔ میں نے اور انسپکٹر مارٹن نے پڑھا، لکھا تھا:

"ایبے سلینی۔ شکاگو کا سب سے خطرناک غنڈہ ہے۔"

"اُسی شام کو بٹ ہلٹن نے مجھے نئی شکلوں کی ایک نقل بھیجی اور اسے الفاظ میں تبدیل کرتے ہی میں سمجھ گیا کہ معاملہ بے حد خطرناک ہو گیا ہے۔ اس پیغام میں بدمعاش نے ایلسی کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس سے ایلرج کے مقام پر آن کر نہ ملی تو نتائج کی ذمے داری اسی پر ہو گی! چنانچہ مَیں نے اُسی وقت لندن سے یہاں پہنچنے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ آخری ٹرین نکل چکی تھی، اس لیے صبح کی گاڑی پکڑنی پڑی۔ کاش رات کی ٹرین مل جاتی، تو یہ المناک حادثہ رونما نہ ہوتا۔"

انسپکٹر مارٹن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "مسٹر ہومز، آپ یہاں اطمینان سے بیٹھے ہیں اور ادھر وہ قاتل فرار ہو گیا، تو مَیں اپنے محکمے کو کیا منہ دکھاؤں گا؟"

"انسپکٹر، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ کہیں نہ جائے گا۔" ہومز نے

مسکرا کر کہا۔
"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"
"اس لیے کہ اگر اس نے بھاگنا چاہا، تو یہ گویا جرم کا اقرار ہوگا۔"
"لیکن ..... ہم دیر کیوں کریں؟ آیئے وہیں چل کر اسے گرفتار کر لیتے ہیں۔"
"مجھے یقین ہے وہ یہیں آئے گا۔"
"یہیں آئے گا؟ مارٹن چلایا۔ "مگر وہ یہاں کیوں آنے لگا؟"
"اس لیے کہ میں نے اسے یہاں آنے کے لیے لکھ دیا ہے۔"
"خدا کی پناہ! مسٹر ہومز، آپ مذاق کر رہے ہیں۔ دنیا میں کون شخص ایسا ہے جو اپنے آپ کو گرفتار کرانے کے لیے چلا آئے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ آپ کا رقعہ دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کر لے؟"
"جی نہیں ..... اسے یہاں آنا ہوگا۔" ہومز نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ انسپکٹر مارٹن میرے دوست کو خبطی سمجھ کر اول فول بکنے ہومز نے ہنس کر کہا۔ "لیجیے، وہ حضرت آن پہنچے۔"

ہم نے گردنیں گھما کر دیکھا۔ مکان کی طرف آنے والی چھوٹی سی پگڈنڈی پر ایک لمبا تڑنگا قوی ہیکل شخص ہاتھ میں چھڑی لیے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے بھورے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پہ پانامہ ہیٹ جمی ہوئی تھی۔ اس کی چال سے ایسا غرور ٹپکتا تھا جیسے اس پورے علاقے کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ چند لمحے بعد گھنٹی بجنے کی آواز مکان میں گونجی۔
"میرا خیال ہے حضرات، کڑا لمحہ آن پہنچا۔" ہومز نے چپکے سے کہا۔ "ہمیں اس دروازے کے پیچھے پوزیشن لے لینی چاہیے۔ ہمارا واسطہ نہایت چالاک اور خطرناک آدمی سے ہے۔ انسپکٹر، تمہارے پاس ہتھکڑی تو ہوگی؟ بس تیار رہنا، اس سے گفتگو میں کروں گا۔"
دو منٹ گزر گئے۔ میرے دل کی دھڑکن عروج پر تھی اور یہی کیفیت انسپکٹر

مارٹن کی تھی۔ اس کا چہرہ کسی اندرونی جوش و خروش کے باعث سرخ ہو رہا تھا۔ ہومز دروازے کے پیچھے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یک لخت دروازہ کھلا اور آنے والے نے اندر قدم رکھا۔ ہومز نے حیرت انگیز پھرتی سے اپنا پستول نکالا اور نووارد کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ اس سے پیشتر کہ اجنبی کوئی حرکت کر سکے، انسپکٹر مارٹن اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال چکا تھا۔ یہ مرحلہ اس سُرعت سے طے ہوا کہ اجنبی حیران و ششندر رہ گیا اور اس کے منہ سے دیر تک کوئی لفظ نہ نکل سکا، بلکہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ہمیں باری باری گھورتا رہا۔ پھر دفعتہً اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا اور بولا:

"صاحبان، اس مذاق پر داد دیتا ہوں۔ آپ سے بات تو بعد میں کروں گا، مہربانی کر کے ایلسی کو اطلاع دے دیجئے کہ میں آ گیا ہوں۔ اس نے مجھے رقعہ بھیج کر بلوایا ہے۔"

"مسز ہلٹن سخت زخمی ہیں اور بے ہوش پڑی ہیں۔ ان کا بچنا مشکل نظر آتا ہے" ہومز نے جواب دیا۔

نووارد کے حلق سے چیخ نکلی اور اس نے گرج کر کہا:

"تم بکواس کرتے ہو۔۔۔ زخمی وہ نہیں ہوئی، اس کا مردود شوہر ہوا ہے۔۔۔ خدا مجھے معاف کرے۔۔۔ میں جو اسے دل و جان سے چاہتا ہوں، بھلا کیسے اس پہ ہاتھ اٹھاؤں گا۔۔۔ سچ سچ بتاؤ معاملہ کیا ہے اور تم لوگ یہ کیا تماشا کر رہے ہو؟"

"میں آپ کو صحیح بتاتا ہوں مسٹر ایبے سلینی، ایلسی اپنے خاوند کی لاش کے قریب شدید زخمی حالت میں پائی گئی ہے۔" ہومز نے کہا۔ ایبے سلینی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا، ہونٹ کپکپانے لگے اور اس نے ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ پانچ منٹ تک اس کا یہی عالم رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور نرم لہجے میں کہنے لگا:

"صاحبان، اب مجھے آپ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ ایلسی کے خاوند نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے گولی چلائی تھی اور مجھے مجبوراً اپنے دفاع میں فائر کرکے اس کا قصّہ پاک کرنا پڑا۔ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ ۔ ۔ ۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ ایلسی بھی زخمی ہے۔ ۔ ۔ خدا کے لیے بتائیے کہ وہ کیسے زخمی ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ میں نے تو اس پر گولی نہیں چلائی۔ ۔ ۔ وہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ۔ ۔ ۔ وہ میرے بچپن کی ساتھی ہے۔ ۔ ۔ اس بدمعاش انگریز کو ہمارے درمیان آنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ اس نے ایلسی کو ورغلا کر اس سے شادی کی! حالانکہ اس پر میرا حق تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تم غلط کہتے ہو مسٹر سلینی" ہومز نے کہا۔ "ایلسی کو تم سے محبت کے بجائے نفرت تھی۔ شدید نفرت اور چونکہ اُسے تمہارے کرتوتوں کا علم ہوگیا تھا، اس لیے وہ امریکہ سے نکل کر لندن آگئی۔ یہاں اس کی ملاقات مسٹر ہلٹن سے ہوئی اور اس نے اس شریف انگریز کو اپنی زندگی کا ساتھی چن لیا، لیکن تم نے ایلسی کا پیچھا نہ چھوڑا، تم اس کے پیچھے پیچھے لندن آئے اور اُسے دھمکیاں دینے لگے کہ وہ اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور تمہارے ساتھ امریکہ بھاگ چلے، مگر اس نیک طینت اور پاکیزہ طبیعت خاتون نے یہ گوارا نہ کیا، اس نے سوچا اگر وہ اپنے شوہر کو سب کچھ بتا دے تو ممکن ہے اس کے دل میں شکوک پیدا ہوں، اس لیے وہ خاموش رہی، لیکن تم اپنی بدمعاشی سے باز نہ آئے اور رقابت میں اندھے ہو کر ہلٹن کو ہلاک کر دیا۔ ایلسی کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا شوہر تو ختم ہو ہی چکا تھا، اب ذلت و رسوائی اور شوہر کے قتل کے "الزام" سے نجات پانے کا واحد راستہ یہی تھا کہ وہ خودکشی کرلے، چنانچہ اس نے پستول اٹھایا اور اپنے سر میں گولی مار لی۔ یہ سب کچھ کیا دھرا تمہارا ہے مسٹر سلینی! اور اس کے لیے تمہیں قانون کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

سلینی خاموشی سے یہ تقریر سنتا رہا، لیکن اس کی نگاہوں سے اب بھی شک و شبہے کا اظہار ہوتا تھا۔

"اگر ایلسی مرگئی تو میرا زندہ رہنا بے کار ہے۔" اس نے آہ سرد بھر کر کہا: "لیکن مجھے یقین نہیں کہ جو کچھ آپ نے کہا، وہ سچ ہے۔ اگر ایلسی اتنی ہی زخمی ہے اور بے ہوش پڑی ہے تو یہ رقعہ کس شیطان نے لکھا؟" اس نے اپنی مٹھی میں بھنچا ہوا کاغذ کا ایک پُرزہ نکال کر میز پر پھینک دیا۔

"یہ رقعہ میں نے تمہیں یہاں بلوانے کے لیے لکھا تھا۔" ہومز نے جواب دیا۔

"تم نے؟" سلینی چیخا۔ "بکواس، غلط ——— جن خفیہ اشاروں کی مدد سے یہ لکھا گیا ہے، اس سے میرے اور ایلسی کے علاوہ دنیا میں کوئی تیسرا شخص آگاہ نہیں۔ تم نے بھلا کیسے لکھ لیا؟"

"مسٹر سلینی، اگر کوئی شخص خفیہ تحریر ایجاد کر سکتا ہے، تو خدا نے دوسروں کو بھی اس کا راز پا لینے کی صلاحیت بخشی ہے۔" ہومز نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال میں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا۔ میری درخواست صرف یہ ہے کہ اس معصوم عورت پر رحم کرو اور صاف صاف اقرار کر لو کہ ہلٹن تمہاری گولی سے ہلاک ہوا ہے، ورنہ قتل کا شبہ ایلسی پر ہی کیا جائے گا اور کیا فائدہ اس کی خواہ مخواہ بدنامی ہو اور ویسے بھی اس کا بچنا کچھ مشکل ہی ہے۔"

چند لمحے سوچنے کے بعد سلینی نے کہنا شروع کیا۔ "بہت اچھا مسٹر ہومز۔ میں نہیں چاہتا کہ ایلسی میری وجہ سے کسی آفت میں پھنسے۔ مجھے اپنے جرم کا اقرار ہے۔ اس دنیا میں نہ سہی، اگلے جہان میں تو میں اسے پا ہی لوں گا۔ جیسا کہ میں نے بتایا، میں اور ایلسی بچپن کے ساتھی ہیں۔ اس کا باپ مسٹر پیٹرک، آنجہانی شکاگو کا بدنام ترین غنڈہ تھا اور یہ خفیہ تحریر بھی اسی کی ایجاد ہے۔ اس کے گروہ میں دس آدمی شامل تھے۔ انہی میں میرا باپ بھی تھا جسے بعد ازاں موت کی سزا ہوئی۔ ایلسی کے باپ نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھی سے کرے گا، لیکن ایلسی ابتدا ہی سے ان مجرمانہ سرگرمیوں کے خلاف تھی، مگر اس کا بس نہ چلتا تھا، آخر وہ امریکہ سے بھاگ کر لندن آ گئی۔ یہ صدمہ میرے

لیے ناقابل برداشت تھا، میں نے اس کا پتہ معلوم کرکے ایک خط امریکہ سے بھیجا، مگر ایلسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ مجبوراً مجھے آنا پڑا، اور پھر میں نے خفیہ شکلوں کے ذریعے اسے اپنی آمد سے آگاہ کیا اور ملنے کی درخواست کی۔ میں نے ایلسی سے ملنے اور اسے سمجھانے کی انتہائی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ صرف ایک مرتبہ اس نے ٹول ہاؤس کے دروازے پر میرا پیغام دیکھ کر اس کے نیچے خفیہ شکلوں میں جواب دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں ایسی حرکتیں نہ کروں اور واپس امریکہ چلا جاؤں۔ دراصل وہ اپنے اس انگریز شوہر سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھی اور ممکن ہے میں واپس چلا جاتا، مگر ایک رات یہ انگریز مجھے ہلاک کرنے کی نیت سے اپنے سٹڈی روم میں بیٹھا رہا۔ اس بات پر مجھے تاؤ آ گیا۔

"کل رات کا واقعہ ہے کہ میں ایلسی سے ملنے کے لیے آیا۔ وہ سٹڈی روم میں موجود تھی اور میں باغیچے میں کھڑکی کے عین نیچے کھڑا تھا۔ ایلسی نے کھڑکی کھولی اور مجھ سے کہا کہ یہ روپیہ لے لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کی اس بات سے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو گیا اور اسے گھسیٹ کر نیچے اتارنے لگا۔ آواز سن کر ایلسی کا شوہر ہاتھ میں پستول لیے اندر گھس آیا میں نے بھی اپنا پستول نکال لیا۔

"بخدا میرا ارادہ اس پر فائر کرنے کا نہ تھا، لیکن اس نے گولی چلا دی جو کھڑکی کے شیشے میں گزر گئی اور میں بال بال بچا۔ اسی لمحے میں نے بھی اپنے پستول کی لبلبی دبا دی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ میں نے کھڑکی سے باغیچے میں چھلانگ لگائی اور بھاگ نکلا۔ اس کے بعد میں نے کھڑکی بند کیے جانے کی آواز سنی اور اس کے بعد آج صبح تک مجھے کوئی خبر نہ ملی۔ پھر ایک لڑکا آپ کا بھیجا ہوا رقعہ لے کر آیا۔ یہ رقعہ خفیہ تحریر میں تھا، اس سلسلے میں اسے ایلسی کی جانب سے بلاوا سمجھ کر بے دھڑک چلا آیا۔"

مکان کے صدر دروازے پر ایک گھوڑا گاڑی آن کر رکی اور اس میں سے دو

ہٹے کٹے پولیس مین برآمد ہوئے۔ انہوں نے آن کر انسپکٹر مارٹن کو سلیوٹ کیا۔ انسپکٹر نے ایبے سلینی کا بازو پکڑا اور کہا "چلو"۔

"کیا میں ایلسی کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟" سلینی نے التجا کی۔

"نہیں، وہ بے ہوش پڑی ہے۔" انسپکٹر نے کرخت لہجے میں جواب دیا اور سلینی کو دھکیلتا ہوا گاڑی کی طرف لے گیا۔

جب گاڑی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی، تو ہومز نے اپنی گھڑی دیکھ کر کہا: "تین بج کر چالیس منٹ پر ٹرین لندن جاتی ہے اور خدا نے چاہا تو ہم رات کا کھانا اپنے گھر پر کھائیں گے۔"

"بے شک،" میں نے کہا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ ایسا نازک کیس تم نے منٹوں کے اندر اندر حل کر دیا، ورنہ یہ معاملہ انسپکٹر مارٹن کے بس کا نہ تھا۔ وہ ضرور بے چاری ایلسی کو اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیتا۔" یہ کہتے ہوئے میری نظر اس رقعے پر پڑی جو ہومز نے سلینی کو بھیجا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔

"واٹسن، ذرا پڑھنے کی کوشش تو کرو۔ دیکھیں کیا مطلب نکالتے ہو۔"

رقعے پر وہی الٹی سیدھی رقص کرتی ہوئی شکلیں بنی تھیں۔ میں نے بے وقوفوں کی طرح گردن ہلائی اور اپنی جہالت کا اقرار کیا۔

"آہ تم نہیں سمجھے۔ اس کا مطلب صاف ہے۔ میں نے لکھا تھا: "فوراً پہنچو۔"

"مجھے یقین تھا کہ یہ خفیہ تحریر دیکھتے ہی وہ دوڑا آئے گا، کیونکہ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ایلسی کے علاوہ کوئی اور بھی ان شکلوں کا راز جانتا ہے۔"

آخر میں اپنے قارئین کو صرف یہ بتانا ہے کہ ایبے سلینی پر مقدمہ چلا، لیکن موت کے بجائے اس نے عمر قید کی سزا پائی، کیونکہ وکیل صفائی نے ثابت کر دیا تھا کہ سلینی نے اپنے دفاع میں گولی چلائی اور پہلا فائر ہلٹن کوبٹ نے کیا تھا۔ ایلسی کو خدا نے بعد ازاں تندرست کر دیا، لیکن اس نے پھر شادی نہ کی اور عمر کا بقیہ حصہ اپنے شوہر کی یاد میں کاٹ دیا۔

روحانی جاسوس

۱۹۶۰ء شمسی کے موسم گرما کی ایک شام تھی۔ چونتیس سالہ جان ٹارمن اپنے مالک کے ساتھ مچھلی کے شکار سے لوٹا تو تھک کر چور تھا۔ بدن ٹوٹ رہا تھا اور سر میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے اپنے حصے میں آئی ہوئی ایک بڑی سی مچھلی بیوی کے سامنے پھینکی اور اپنے بستر پر دھڑام سے گر پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ گہری نیند کی آغوش میں تھا۔ اس کی بیوی کورا کام کاج سے فارغ ہو کر خواب گاہ میں آئی، لیکن اس نے شوہر کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ کھانا کھا کر وہ بھی اپنے پلنگ پر سو گئی۔

آدھی رات ہوئی تھی کہ زور زور سے دروازہ پیٹنے کی آواز سن کر میاں بیوی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حیران تھے کہ اس وقت کون انہیں تنگ کرنے آ گیا۔ کورا دروازہ کھولنے گئی۔ دروازہ کھلا ہی تھا کہ چار لمبے تڑنگے، چاق چوبند آدمی اسے دھکیلتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ ان میں ایک مقامی خفیہ پولیس کا آدمی تھا اور تین ریاست ورجینیا کی خفیہ پولیس کے افسر تھے۔ تینوں میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا:

"ہیرے کی انگوٹھی، سونے کی گھڑی اور جوتوں کا جوڑا فوراً ہمارے حوالے کر دو۔"

جان اور کورا اس غیر متوقع حملے سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دو آدمی آگے بڑھے اور انہوں نے جان کو بستر سے گھسیٹ لیا۔ اسے شب خوابی کا لباس تبدیل

کرنے کی مہلت بھی نہ دی اور دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے۔ باقی دو آدمیوں نے مکان کی تلاشی لینی شروع کی اور دیکھتے ہی دیکھتے سجے سجائے گھر کو تلپٹ کر دیا۔ کورا چپ چاپ کھڑی تھی۔ اسے صرف باہر کار چلنے کی آواز آئی۔ کچھ دیر بعد خفیہ پولیس کے آدمی اسے بھی دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے اور دوسری کار میں دھکیل دیا۔

اُس رات جو کچھ ہوا، وہ امریکا کے محکمۂ سراغ رسانی کے ماتھے پر کبھی نہ مٹنے والا داغ ہے۔ فیرفیکس کے پولیس ہیڈ کوارٹرز میں جسمانی اذیت اور بہیمیت کا جو انسانیت سوز ڈرامہ کھیلا گیا اس کی صدائے بازگشت آج بھی امریکا میں گونج رہی ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ دنیا کو درسِ انسانیت دینے والے اور بنیادی حقوق کی آزادی کے سب سے بڑے دعوے دار ملک میں سترھویں صدی کے پیوریٹن دورِ اقتدار کی اس بربریت کو کیوں کر روا رکھا گیا۔ اس بہیمانہ ڈرامے کی ابتدا جس میں پولیس کے علاوہ ماہرینِ نفسیات اور عدالت نے بھی حصّہ لیا، ۱۱ جون ۱۹۵۹ء کو ہو چکی تھی۔ اگر جان کے مالک ٹی، جے، ہنری اور دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر جوزف ڈیونیجر کی کوشش سے نوجوان وکیل وین، ای، کومر اور امریکا کی شہری آزادی کی تنظیم نے مداخلت نہ کی ہوتی تو بے گناہ جان کو ذہنی عذاب اور جسمانی اذیت دے کر مار ڈالنے میں کوئی کسر چھوڑی نہ گئی تھی۔ اس پہ ایک ٹرک ڈرائیور کیرل وی جیکسن، اس کی بیوی ملڈرریڈ، دو بیٹیوں، چار سالہ سوسن اور سترہ ماہ کی جینیٹ کے قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ یہ الزام ثابت کرنے کے لیے سراغ رسانی اور تفتیش کے جدید اور مروّجہ طریقے استعمال کرنے کے بجائے صدیوں پرانے جادوگری کے طریقۂ کار کا سہارا لیا گیا۔ اس پر ساری مہذب دنیا تڑپ اٹھی۔ وکلا نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اخبارات نے اداریے لکھے اور اس طرح اکتیس دن تک جہنم میں رہنے کے بعد جان کو آزادی کی کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا۔

۱۱ر جنوری ۱۹۵۹ء کی رات ٹرک ڈرائیور جیکسن، بیوی بچوں سمیت اپنی ساس
ل کر ورجینیا کے جنوب مشرق میں ایپل گرو کے مقام پر اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔
یں سے کوئی بھی گھر نہ پہنچا۔ اگلے دن خالی ٹرک رچمنڈ سے تقریباً تیس میل
ایک شاہ راہ پر ملا۔ ٹرک چلانے کے لیے چابی کو جلا دیا گیا تھا۔ اگلی نشست
لڈریڈ کا خالی پرس ملا اور پچھلی نشست پر بچے کے دودھ کی بوتل، گڑیا اور
ری چیزیں۔ مقامی حاکمِ ضلع ولیس، آر پروفٹ نے کئی سو آدمیوں پر مشتمل
کھوجی پارٹی کے ساتھ میلوں علاقہ چھان مارا، لیکن گم شدہ خاندان کا کوئی
اغ نہ ملا۔ ایک راہ گیر نے بتایا کہ اس نے رات کی تاریکی میں ٹرک یا کار کی
ں کی روشنی دیکھی تھی اور اس کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی متعدد بار آواز
سنی تھی۔ معلوم نہیں کیا ہو رہا تھا۔

پولیس نے تفتیش شروع کر دی، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر یکم مارچ کو
ریڈرکسبرگ کی لکڑی چیرنے کی ایک بند مل کے قریب بھوسے کے ڈھیر تلے
جیکسن اور چھوٹی لڑکی کی لاشیں مل گئیں۔ جیکسن کے سر میں ۳۸ بور کے پستول
کی گولی کا گہرا زخم تھا اور سوا سال کی جینیٹ کا گلا گھونٹا گیا تھا۔ اس کے سترہ
دن بعد ہی واشنگٹن اور بالٹی مور کے وسط میں واقع ایک چھوٹے سے قصبے
میری لینڈ سے کچھ دور ایک سنسان مقام پر ملڈریڈ اور سوسن کی لاشیں بھی مل گئیں۔
انہیں بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا۔

مرکزی محکمہ سراغ رسانی نے مقامی خفیہ پولیس کے تعاون سے ۱۴۷۵ مشتبہ
فراد سے پوچھ گچھ کی کہ وہ واردات کی رات کو کہاں تھے۔ جیکسن کے والدین
میری لینڈ کے قریب گیمبرلس میں رہتے تھے وہ ان سے ملنے اکثر جاتا تھا۔ چوں کہ
س علاقے میں ملڈریڈ اور سوسن کی لاشیں ملی تھیں؛ لہٰذا اسے بھی شاملِ تفتیش
ر لیا گیا، لیکن معمولی پوچھ گچھ کے بعد اسے ۱۴۳۰ افراد سمیت چھوڑ دیا گیا۔ اب
خفیہ پولیس کی توجہ کے مرکز ۴۵ افراد رہ گئے تھے جن کی نقل و حرکت کی کڑی

..... نگرانی کی جانے لگی۔

جان اس واقعے کو بھول گیا اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگیا، لیکن اسے علم نہ تھا کہ تقدیر کھڑی مسکرا رہی ہے اور اس نے ایک گمنام بے مایہ ٹرک ڈرائیور کا مستقبل عالمی شہرت کے مالک دو اشخاص کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ ان میں ایک مشہور ماہرِ نفسیات ڈاکٹر ایف۔ ریجس۔ ریسمین تھا جو سینٹ الزبتھ میں دماغی امراض کے ہسپتال سے منسلک اور امریکی ماہرینِ نفسیات کی انجمن کا سرگرم رکن تھا۔ دوسرا ۴۹ سالہ دلندیزی پیٹر ہرکوس تھا۔ یہ شخص علم روحانیت اور انسانی ذہن پڑھنے کا ماہر سمجھا جاتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس نے غیب کے متعلق جتنی باتیں بتائی تھیں، وہ حیرت انگیز طور پر صحیح تھیں۔ ان دنوں وہ امریکا کا دورہ کر رہا تھا اور چند ماہ پیشتر واشنگٹن میں ٹیلی ویژن پر بھی پروگرام پیش کیا تھا۔ ریسمین نے محکمہ سراغ رسانی کو تجویز پیش کی کہ "جیکسن قتل کے معمّے کو حل کرنے کے لیے ہرکوس کی خدمات حاصل کی جائیں۔ پولیس والے اس سے سرکاری طور پر رابطہ قائم کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے، لیکن ریسمین نے اپنے طور پر سَو ڈالر یومیہ مع اخراجات پر ہرکوس کی خدمات حاصل کر لیں۔" اس سے واشنگٹن کے ہوائی اڈّے پر ملا۔ وہ اپنے ساتھ دو درجن افراد کی تصویریں لے گیا تھا۔ ہرکوس نے ایک تصویر چھانٹ لی اور کہا کہ یہ اس شخص کی تصویر ہے جو ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ دو سال سے بیمار ہے اور اس کی عمر ۸۴ سال ہے۔ تصویر ریسمین کے باپ کی تھی اور اس کے متعلق ہرکوس نے جو کچھ بتایا، سو فی صد صحیح تھا۔ ہرکوس نے دوسرے لوگوں کو بھی سچ باتیں بتائیں۔ اس نے مقامی پولیس کے سربراہ ایڈورڈ سمپسن کو بتایا کہ اس کی شادی تیرہ سال قبل ہوئی تھی۔ ایک افسر کو ٹھیک ٹھیک بتایا کہ اس کی بیوی عین اسی وقت کیا کر رہی ہے۔ چار دوسرے افسروں کو ان کی زندگی بھر کے حالات سچ سچ بتائے۔ اسی طرح ایک اخبار نویس کو گذشتہ دس برسوں کے واقعات بتا دیے۔ سب اس کی غیر معمولی

ی طاقت کے معترف تھے۔ امور دولتِ مشترکہ کے قانونی مشیر فز جیرالڈ نے اسے
یرت انگیز" شخص قرار دیا۔ آرلنگٹن کے جج ہال، ڈی، براؤن نے اسے "چونکا
نے والا" شخص کہا۔

ہرکوس دوسروں کے ذہن میں چلنے والی "فلم" دیکھنے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس
ریقۂ کار انوکھا تھا۔ ملزم کو سامنے بٹھا کر اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھتا اور
ا کہ اس نے جرم کیا ہے یا نہیں۔ اس کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق پولیس
ئے واردات پر پہنچتی اور جرم کا سراغ مل جاتا۔ اس نے ٹیلی ویژن انٹرویو میں
اخباری رپورٹروں کو بتایا کہ اس کا طریقۂ کار بالکل سیدھا سادھا ہے۔ پولیس
ے جائے واردات پر لے جاتی۔ وہاں پہنچ کر وہ قطعی خالی الذہن ہو جاتا اور
ے ریڈیو کی لہروں کی طرح برقی پیغامات ملتے۔ بقول اس کے یہ پیغامات اس
تحت الشعور سے آتے۔

ہرکوس کی مقبولیت کے باوجود بہت سے سائنس دان، ڈاکٹر اور ماہرین
یات اس کے علمِ غیبی اور روحانیت کے دعوے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ وہ
تے کہ خفیہ پولیس نے جرائم کی تفتیش میں ناکامی کو چھپانے کے لئے اسے ساتھ
لیا ہے۔ جب کوئی عقدہ حل نہیں ہوتا تو اس کی روحانی طاقت کی آڑ میں بےگناہ
وں کو پھانس لیا جاتا اور انہیں مجرم ثابت کر دیا جاتا۔ خفیہ پولیس والے اسے
ی شخص کے متعلق پہلے ہی بتا دیتے اور وہ اس کے ماضی اور حال کے واقعات
م و کاست بتا دیتا۔ کئی مشہور سائنس دانوں، ڈاکٹروں، ماہرین نفسیات اور وکلا
ہرکوس کا امتحان لینا چاہا، لیکن وہ مقررہ وقت پر کبھی نہ پہنچتا۔ اس کے مداح
یادہ تر خفیہ پولیس کے آدمی تھے، اسے آزاد منش، لااُبالی اور بے پرواکتے تھے
ا یہ ہتھکنڈے بڑے شہروں میں کامیاب نہیں تھے۔ قصباتی حکام اور پولیس
ے ہی ان سے کام لیتے تھے، لیکن کب تک؟ جیکسن خاندان کے قتل میں
گناہ جان کو ملوث کرتے ہی واشنگٹن میں وہ ہنگامہ مچا کہ ہرکوس کو ملک

چھوڑتے ہی بنی۔ اُس وقت تک اس نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کو سزا دلا دی تھی اور کتنے ہی خاندانوں کو تباہ کر دیا تھا اور نہ معلوم کتنے مجرم قانون کے شکنجے سے بچ نکلے تھے۔

۷ رجون ۱۹۶۰ء شمسی کو فالس چرچ پہنچتے ہی ہرکوس نے اخباری رپورٹروں کو بتایا کہ جیکسن خاندان کے قتل کا معما حل ہو جائے گا۔ اُسی دن اس نے ... یومیہ مشاہدہ سو ڈالر مع اخراجات وصول کر لیے۔ وہ ورجینیا پولیس کے ساتھ سیدھا فریڈرکسبرگ گیا جہاں سے جیکسن اور جینیٹ کی لاشیں ملی تھیں۔ وہاں وہ دیر تک بیٹھا خلا میں گھورتا اور فلم دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ مجرم نے چار سے زیادہ افراد قتل کیے ہیں۔ غالباً نو۔ تاہم اس نے مجرم کی نشان دہی نہیں کی۔ اگلے دن وہ میری لینڈ گیا جہاں جیکسن کی بیوی اور بڑی لڑکی کی لاشیں پائی گئی تھیں۔ وہاں بھی وہ اسی طرح بیٹھا "فلم" دیکھتا رہا۔ مجرم کے متعلق اس نے پہلی مرتبہ بتایا کہ وہ لکی اسٹرائیک سگریٹ پیتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اپنی قیام گاہ پر جانے لگا۔ وہ ہمیشہ نو تا بارہ گھنٹے تک سویا کرتا تھا۔ پولیس والوں اور اخباری رپورٹروں کے اصرار پر اس نے صرف اتنا کہا کہ اسے مجرم کا علم ہو گیا ہے۔ اگلے دن اس نے ... پولیس اور سراغ رسانوں کی سترہ ماہ کی اُلجھن دور کر دی۔

مجرم کا جو حلیہ اس نے بتایا وہ ہو بہو جان سے ملتا جلتا تھا۔

فیرفیکس کے پولیس ہیڈکوارٹر میں لے جانے کے بعد جان کو اس کے ... بھائیوں اور وکیل سے ملنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ پولیس والے ... سے صرف "ہاں" کہلوانا چاہتے تھے۔ دوسرے کمرے میں ملڈریڈ تھی، لیکن دونوں کو اس جگہ ایک دوسرے کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ پانچ گھنٹوں کے تھکا دینے والے، پریشان کن سوالات کے بعد ملڈریڈ کو گھر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے گھر کے قریب کار رکنے کی آواز سنی اور اس ...

سے جان کو اترتے دیکھ کر اس کے زرد، مضمحل چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد جان کام پر چلا گیا۔

سارا دن کسی سے بات کیے بغیر وہ اپنا کام کرتا رہا۔ مال لانے لے جانے کے لیے کئی پھیرے کیے۔ اسے علم نہ تھا کہ خفیہ پولیس کے آدمی سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس عذاب سے نجات پا چکا ہے وہ اس اذیت ناک رات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھول جانا چاہتا تھا۔ شام کو گھر لوٹ رہا تھا کہ ایک پولیس ویگن نے اس کا راستہ روک لیا۔

"ہمارے ساتھ چلو" حکم ملا۔

"اور یہ ٹرک ؟" اس نے پوچھا۔

"اسے یہیں چھوڑ دو" دوسرا حکم ملا۔

وہ پھر فیرفیکس پولیس ہیڈکوارٹر میں تھا۔ گزشتہ رات بھر کا جاگا ہوا اور آج پھر جاگنا تھا۔ وہی عذاب اور اذیت تھی۔ لیکن وہ قاتل ہوتا تو اقرار کرتا! اس نے تو جیکسن کو کبھی دیکھا تک نہ تھا، لیکن ہرکوس کی 'فلم' اسے مجرم ثابت کر چکی تھی۔

دوسرے کمرے میں کورا پھر ان پریشان کن سوالات سے دوچار تھی۔

"تمہارا شوہر نیم پاگل ہے ؟" پوچھا گیا۔

"قطعی نہیں" اس نے اعتماد سے کہا۔

"تم جانتی ہو اس نے تقریباً نو افراد کو قتل کر دیا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"اسے سزائے موت ہوگی تب یقین آئے گا۔"

"اچھا اگر اسے سزائے موت دلانے کے بجائے چند دنوں کے لیے میرین بھیج دیا جائے تو کیسا رہے گا ؟" اس کی رائے طلب کی گئی۔ کورا کو کیا معلوم تھا کہ میرین کیا بلا ہے۔

"اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے، لیکن تم اسے موت سے بچا سکتی ہو۔" ہمدردی جتائی گئی۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"اس فارم پر دستخط کر دو۔" ایک فارم اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔

"میں کسی سے مشورہ کیے بغیر کسی فارم پہ دستخط نہیں کروں گی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کی موت کے وارنٹ پر دستخط کر دیے ہیں! کرخت جواب ملا۔

"نہیں نہیں، میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ اسے میرین بھیج دو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ چند دنوں میں واپس آجائے گا۔" کسی نے اس کے شانوں پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

اگلی شب جان کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ جج جے، میسن گرو مسند انصاف پر بیٹھا تھا۔ یہ عدالت دراصل تحقیقاتی کمیشن کا کام کر رہی تھی۔ ریسمین، جیل کا ڈاکٹر جیس، آر۔ کورَ اور دولتِ مشترکہ کا قانونی مشیر رابرٹ، سی، فزجیرالڈ اراکین تھے۔ ہال تفتیشی افسر تھا۔ جوزف بینیٹ نامی ایک وکیل کو جان کا قانونی مشیر مقرر کیا گیا۔ جان نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جوزف نے تمام کارروائی کے دوران میں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ ریسمین نے باقی دو اراکین کو بتایا کہ جان کا باپ اور ماں دونوں شرابی تھے۔ باپ نے اسے مار کر گھر سے نکال دیا تھا۔ ہال نے بتایا کہ جیکسن اور اس کے بیوی بچوں کو جان نے ہیرے کی انگوٹھی اور سونے کی گھڑی (نقدی نہ جانے کتنی تھی)، کے لیے قتل کر دیا ہے۔ فزجیرالڈ نے کوئی بات نہیں کی، صرف اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ کورا اور جوزف خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ریسمین نے کورا کا دستخط کردہ فارم جج کے سامنے پیش کیا۔ ساری کارروائی میں صرف پندرہ

منٹ لگے اور جج کے فیصلے کے مطابق جان کو میرین (ورجینیا) کے مجرموں کے پاگل خانے میں بھیج دیا گیا۔

پاگل خانے میں اسے پاگلوں کا مخصوص لباس دیا گیا اور ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی سے نکالا جاتا اور ایک بڑے ہال میں لے جایا جاتا۔ یہاں پتھر کی بنچوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ساتھی اسے عجیب وغریب حرکتوں سے ڈراتے اور مار ڈالنے کی دھمکی دیتے۔ وہ ہر وقت سہما سہما رہتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ لمحات وہ تھے، جب اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے دیے جاتے، تکلیف کی شدت سے وہ بے ہوش ہو جاتا۔ چودہ دن اسی طرح گزر گئے۔ پاگلوں اور خطرناک مجرموں میں رہ کر اس کا ذہن ماؤف ہو چلا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ایک دن وہ سچ مچ پاگل ہو جائے گا۔ وزن گھٹ کر آدھا رہ گیا تھا اور چہرہ ہلدی کی طرح زرد — دراصل اسے سسک سسک کر مرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

جان کا مالک ہنری نہیں چاہتا تھا کہ اچھا بھلا اور بے گناہ آدمی پاگل بن کر مجرم ہونے کا داغ لیے مرجائے۔ اس نے کورا اور جان کے بھائیوں سے مشورہ کیا اور ایک نوجوان اور ہوشیار وکیل وائن، ای، کومر کی خدمات حاصل کیں اس نے یہ معاملہ امریکا کی شہری آزادی کی تنظیم کے سامنے پیش کیا، ساتھ ہی عدالت سے مطالبہ کیا کہ مقدمے کی دوبارہ سماعت کی جائے، کیونکہ عدالت کی کاروائی آدھی رات کو بلا وجہ ہوئی تھی اور اس میں کوئی وکیل یا عام آدمی شریک نہیں ہوا تھا۔ شہری آزادی کی تنظیم نے وزارت انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ تنظیم کے اراکین کے مشورے سے کومر نے میرین کے ایک وکیل جی، آر، سی، اسٹوراٹ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور اسٹوراٹ نے عدالت عالیہ میں جان کے حق میں ہیبس کارپس کی درخواست داغ دی۔ اب تک واشنگٹن کے لوگ اس اندھیر نگری سے واقف نہیں تھے۔ شہری آزادی کی تنظیم نے رائے عامہ کو اس طرف متوجہ کیا۔ اخبارات نے شور مچا دیا۔ ڈیلی نیوز نے اس سزا کو سترہویں صدی کی یادگار قرار

دیا۔ ریڈیو پر ایک اخبار کا اداریہ پڑھ کر سنایا گیا جس میں عدالت کی کارروائی اور فیصلے کو انصاف کے ماتھے پر بدنما داغ کہا گیا تھا۔ عدالتِ عالیہ نے ہیبس کارپس کی درخواست سماعت کے لیے منظور کر لی۔

یہاں سے بہت دُور دلیسٹ میمفس، آرکنسس میں پیانو کمپنی کا ایک سیلزمین ۳۱ سالہ میلون ڈیوس رلیس تین سال قبل میری لینڈ کی ایک عورت کو قتل کر کے فرار ہو جانے کے الزام میں پکڑا گیا۔ اس کے والدین ورجینیا میں ہیائس وِلے میں رہتے تھے۔ تفتیش کے دوران میں ان کے گھر کی تلاشی بھی لی گئی۔ وہاں میلون کی ڈائری ہاتھ لگی جس میں چھے افراد کے قتل کی مکمل تفصیل درج تھی۔ ان میں چار جیکسن خاندان کے لوگ تھے۔ ۳۸ بور کا ایک پستول بھی ملا جس سے جیکسن کے سر کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

ہیبس کارپس کی درخواست کی سماعت سے ایک ہفتہ پہلے ہی جان کر چھوڑ دیا گیا۔

چھلاوہ

مئی ۵۸ء کی وہ منحوس صبح شاید میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی . . . . میں نے ریسیور اٹھایا . . . . چند ثانیے تک میرے کان میں کوئی آواز نہ آئی . . . . اور پھر مردانہ آواز . . . . جس کے لہجے میں درشتی اور نفرت کا گہرا تاثر تھا . . . . .

" کیا تم ابھی تک استری کر رہی ہو ؟ "

اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے یوں محسوس ہُوا کہ جیسے پگھلا ہُوا سیسہ میرے کان میں اتر رہا ہے۔ میرے سارے جسم میں کپکپاہٹ سی پیدا ہوئی اور ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گر پڑا۔ مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ کمرے کا فرش جیسے میرے پیروں تلے لرز رہا تھا اور پھر میں کرسی پر بیٹھ کر بے اختیار رونے لگی۔

" اُف خدایا ! اس نے مجھے دوبارہ ڈھونڈ لیا تھا ـــــــــ "

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ موذی، پُراسرار شخص کون تھا اور کیوں میری جان کے درپے تھا میں نے اس سے بچنے کی کتنی ہی تدبیریں کیں۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں سے نام کٹوایا ـــ مکان تبدیل کیا ـــ اپنے ملنے جُلنے والوں کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ کسی اجنبی کو ہمارا پتہ نہ بتائیں۔ لیکن آہ . . . . سب تدبیریں بے سُود رہیں اور اب چار سال بعد پھر اس نے میرا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ ضرور اپنا قول پورا کرے گا ـــ جس طرح میں نے اس کا چہرہ جلا دیا تھا۔ کیا وہ بھی . . . . ؟ اس

کا جلا ہوا بھیانک چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ جلے ہوئے گوشت کی مکروہ بدبُو مجھے اپنے نتھنوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی ۔ میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی ۔ اس مصیبت سے نجات پانے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آتا تھا ۔ وہ پُراسرار آدمی میرے لیے چار سال سے ایک ایسا روحانی عذاب تھا جو ایک لمحے کے لیے بھی دُور نہ ہو سکا تھا ۔

۱۴ر جولائی ۱۹۵۵ء کی رات کا ذکر ہے اُن دنوں ہم لاؤس اینجلز کے ایک نواحی دیہات میں رہتے تھے ۔ میرا شوہر جم شہر کے ایک شبینہ تھیٹر میں ملازم تھا ۔ ہمارے دو بچے تھے ، جمی چار برس کا اور بریان دو برس کا تھا ۔ بچے اپنے کمرے میں سو گئے تھے ۔ میں نے معمول کے مطابق سب کمرے صاف کئے ، بچوں کے بکھرے ہوئے کھلونے جمع کر کے الماری میں رکھے اور پھر کپڑوں پر استری پھیرنے کی تیاری کرنے لگی ۔ ۹ بجے ٹیلی ویژن پر ایک خاص پروگرام دیکھنے کا ارادہ تھا ۔ میں نے بجلی کی استری گرم ہونے کے لیے رکھ دی اور ٹیلی ویژن سیٹ کھول دیا ۔

بجلی کی استری جب خوب گرم ہو گئی تو میں نے میز پر کپڑے بچھائے اور استری اٹھا کر پھیرنا ہی چاہتی تھی کہ دفعتہً دو فولادی ہاتھوں نے پیچھے سے مجھے گرفت میں لے لیا ۔ ایک ہاتھ میری کمر کے گرد تھا اور دوسرے نے سختی سے میرا منہ بند کر دیا اور اس سے پیشتر کہ میں چیخوں چلاؤں اُس نے جھٹکے کے ساتھ مجھے اپنی طرف موڑ لیا اور یہی وہ مختصر ترین ثانیہ تھا جب میرے دل میں بچاؤ کی ایک فوری تدبیر آئی اور میں نے اس پر عمل کیا ۔ بجلی کی دہکتی ہوئی استری میرے دائیں ہاتھ میں تھی ۔ اُسے فوراً میں نے اس کے چہرے پر جما دیا ۔ پُراسرار اجنبی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی ۔ درد کی شدت سے اس کا بدن دوہرا ہو گیا ۔ اس کا تمام چہرہ جل گیا تھا اور جلے ہوئے گوشت کی چراند میری ناک میں پہنچی ۔ خدا میری حالت پر رحم کرے — اس کا جلا ہوا بھیانک چہرہ — اور

دل دوز چیخیں ــــ شاید میں موت کے آخری لمحے تک فراموش نہ کر سکوں۔ اب میں نے اُسے غور سے دیکھا ــــ اس کی عمر بیس سال سے زائد نہ تھی ــــ سیاہ بالوں، چوڑی چھاتی اور مضبوط ہاتھ پاؤں کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں دہشت کی جھلک تھی ــــ ایک ثانیہ پیشتر اسے خوبصورت آدمی کہا جا سکتا تھا، لیکن اب . . . . . وہ دنیا کا سب سے بدصورت شخص تھا۔ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ملتے ہوئے وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ پھر جلدی سے مڑا اور بھاگتا ہوا کھُلے دروازے میں نکل کر باہر غائب ہو گیا۔

جب پولیس آئی تو بجلی کی استری میز کے پاس اُلٹی پڑی تھی اور کپڑے چاروں طرف بکھر گئے تھے۔ میرے دونوں بچے جمی اور بریان سہمے ہوئے ایک کونے میں کھڑے تھے۔ استری ابھی تک گرم تھی۔ ایک پولیس افسر نے خیال ظاہر کیا کہ وہ ضرور کوئی نقب زن تھا جو اس علاقے میں وارداتیں کرتا پھر رہا تھا، لیکن اب وہ ادھر آنے کی جرأت نہ کرے گا . . . . . اس طرح گویا معاملہ رفع دفع ہو گیا ــــ کوئی دو ہفتے بعد ــــ ایک روز جب میں لیٹر بکس سے خطوط نکال رہی تھی تو مجھے زرد رنگ کا ایک کاغذ خطوں کے درمیان دکھائی دیا ــــ اس کاغذ پر سیاہ پنسل سے صرف ایک سطر تحریر تھی :۔

"میں انتقام لیے بغیر تمہیں نہ چھوڑوں گا۔"

یہ گمنام دھمکی آمیز خط پڑھتے ہی میری نظروں کے سامنے وہی جلا ہوا بھیانک چہرہ پھرنے لگا۔ مجھے اس کی چیخیں کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میرے جسم کا رُواں رُواں خوف سے کھڑا ہو گیا۔ میرے لب خشک ہو گئے اور ٹانگیں کانپنے لگیں۔ جمی اور بریان نے اپنی معصومیت کے باوجود میری اس نازک حالت کو فوراً بھانپ لیا ــــ وہ دونوں "ممی ممی" کہتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے۔ میں نے دونوں کو بازوؤں میں چھپا لیا اور بے ساختہ میری آنکھوں سے

آنسوؤں کی جھڑیاں بہہ نکلیں۔

ایک مرتبہ پھر پولیس والے ہمارے گھر میں آئے اور انہوں نے گمنام خط پڑھ کر کہا۔ "یہ اسی بدمعاش کی حرکت ہے۔" انہوں نے ایک ضخیم فائل میرے آگے رکھ دی جس میں تمام بدمعاشوں اور نقب زنوں کی تصویریں چسپاں تھیں۔ میں نے ہر تصویر کو بغور دیکھا، مگر افسوس! جسے میں تلاش کر رہی تھی وہ ان تصویروں میں نہ تھا۔ مجبور ہو کر پولیس افسروں نے تمام مقامی ہسپتالوں، کلینکوں اور ڈاکٹروں سے پوچھا کہ کیا کوئی جلے ہوئے چہرے والا شخص علاج کرانے کے لیے ان کے پاس آیا ہے، مگر کسی نے اثبات میں جواب نہیں دیا۔ سخت تعجب تھا کہ پُراسرار اجنبی، جس کا چہرہ بجلی کی استری نے جلا کر رکھ دیا تھا، کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں گیا۔

پولیس آفیسر نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "آپ قطعی بے فکر رہئے — یہ محض اس کی دھمکی ہے، لیکن میرے شوہر کو ایک طرف لے جا کر اس نے یہ کہا کہ کسی حالت میں بھی مجھے اور بچوں کو اکیلا نہ چھوڑا جائے۔ پولیس کی گشتی کاریں مکان کی مسلسل نگرانی کریں گی۔ اگر وہ بدمعاش آیا تو اسے یقیناً گرفتار کر لیا جائے گا۔

ایک مہینہ خیریت سے گزر گیا — مجھے اس کی صورت دکھائی نہیں دی — میرے اور میرے شوہر کے دل میں جو خدشہ تھا، وہ آہستہ آہستہ دُور ہوتا جا رہا تھا۔ ۱۹ اگست کو ہماری شادی کی پانچویں سالگرہ تھی اور انہی دنوں ہمارے تیسرے بچے کی آمد کی توقع بھی تھی۔ اُس روز میں اور میرے شوہر نے باہر ڈنر اور ڈانس کا پروگرام بنایا۔ گھر پہ بچوں کی نگرانی کے لیے میں نے اپنی والدہ کو بلا لیا۔ رات گئے جب ہم دونوں گھر واپس آئے تو میری والدہ مجھے دروازے پر ملیں۔ میں نے فوراً بھانپ لیا کہ ان کی حالت غیر ہے۔ وہ کانپ رہی تھیں اور ان آنکھوں میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔ ہر چند انہوں نے اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئیں — اور بے حد اصرار پر انہوں نے بتایا۔

"لڑکے جس کمرے میں سو رہے تھے اس کمرے کی بیرونی کھڑکی پر کسی

دمی کے ہاتھ مجھے دکھائی دیے۔ وہ کھڑکی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے تو میں اسے دیکھتی رہی۔ پھر جلدی سے باورچی خانے سے گوشت کاٹنے والی بی چھری لاکر میں نے اس کے ہاتھوں میں کچوکے لگائے اس نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیے اور زمین پر کود کر غائب ہو گیا۔ اندھیرے کے باعث میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکی۔"

میں نہیں بتا سکتی کہ یہ واقعہ سُن کر ہمارا کیا حال ہوا — ہمارے دلوں پر دہشت کا ایک نہ مٹنے والا نقش قائم ہو چکا تھا۔ اب ہم اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگے۔ ہر فرد کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگیں۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تو خون میری رگوں میں جم جاتا۔ دروازہ ہوا سے کھل جاتا تو حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ جاتی — اس پُراسرار حملہ آور کا خوف ہمارے چاروں طرف مکڑی کے جالے کی طرح تنا ہوا تھا جو شعوری بھی تھا اور غیر شعوری بھی — یہاں تک کہ ہماری راتوں کی نیندیں اُڑ گئیں — رات کیا آئی گویا قیامت آ گئی — ہر کمرے کا دروازہ اور ہر کھڑکی کو مقفل کیا کیا جاتا — رات کو کوئی ملنے کے لیے آتا تو جب تک اپنی شناخت نہ کراتا ہم دروازہ نہ کھولتے — ہمارے بچے راتوں کو سوتے سوتے چونک پڑتے اور چیخیں مارنے لگتے۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے انہیں خوف آتا تھا۔ دوسرے بچے جب گرما کی راتوں میں باہر آنکھ مچولی یا چور بادشاہ کا کھیل کھیلتے تو جمی اپنے کمرے میں گھس کر اندر سے تالا لگا لیتا اور اندھیرے میں اکیلا کبھی نہ جاتا — میرے شوہر جم کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر اجنبی چہرے کو غور سے دیکھے بغیر آگے نہ بڑھتا تھا۔ اسے ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی، جس کی عمر بیس سال، بال سیاہ، قد لمبا، جسم مضبوط اور چہرہ جلا ہوا ہو..... وہ اس پُراسرار حملہ آور سے قطعی خوف زدہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ خود چھ فٹ کا لمبا تڑنگا اور قوی انسان تھا اور وہ بار بار طیش میں آکر کہتا کہ اگر وہ بدبخت کہیں مل گیا تو اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑے

بغیر نہ چھوڑوں گا۔ بیچارے جم کو اگر کچھ فکر تھا تو میرا اور بچوں کا ــــ جم کی محدود آمدنی اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ ہم گھر کی حفاظت کے لیے کسی ملازم کو رکھ لیتے۔ آخر سوچ سوچ کر ہم نے فیصلہ کیا کہ شام ہوتے ہی بچوں سمیت جم کے تھیٹر میں چلی جاؤں اور جب وہ کام ختم کر کے واپس آئے اس کے ساتھ آؤں۔

"جب تک یہ خطرہ ٹل نہیں جاتا یہی کرنا بہتر ہے۔" جم نے کہا "تم وہاں ہر طرح محفوظ رہو گی اور وہ بدمعاش تمہیں کبھی تلاش نہ کر سکے گا اور پھر ٹکٹ آفس میں ہر وقت میں موجود رہوں گا۔"

چنانچہ یہی ہونے لگا ــــ سورج غروب ہوتے ہی میں دونوں بچوں سمیت اپنی چار سالہ پرانی کار میں بیٹھتی اور تھیٹر پہنچ جاتی۔ ہفتے کے پانچ دن میں نے مسلسل ایک ہی فلم دیکھی۔ بلکہ یوں کہیے کہ اگلی نشست پر بیٹھی اونگھتی رہتی اور دونوں بچے کمبلوں میں لپٹے ہوئے پچھلی نشست پر سوتے رہتے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کار اپنے مقام پر کھڑی کر کے میں نے سوچا آج اسی میں ٹھہرنا چاہیئے۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ دفعتہً میری آنکھ کھلی . . . . اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کار کی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے کسی نے اپنا سر اندر ڈالا اور کہا:۔

"کیا تم مجھے دھوکا دے سکتی ہو؟ میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور پھر میں کار کا دروازہ کھول کر چلّانے لگی کہ پکڑو اس آدمی کو ــــ جم فوراً بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور میں نے ہسٹریائی انداز میں چیخ کر کہا:

"وہ ابھی ابھی آیا تھا ــــ وہی تھا . . . ."

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تھیٹر میں باہر کھڑی ہوئی پانچ سو کاروں میں سے
اس نے کس طرح ہماری کار کو پہچانا —— پولیس کا خیال تھا کہ وہ گھر سے
لے کر تھیٹر تک روزانہ کار کا تعاقب کرتا رہا ہے، لیکن اسے حملہ کرنے کا موقع
نہیں ملا۔ اس حادثے کے باعث میری طبیعت بے حد پریشان تھی۔ وضع حمل
کے دن قریب تھے۔ دو دن بعد مجھے زندگی کے شدید ترین صدمے سے دوچار
ہونا پڑا —— بچہ پیدا ہوا —— لیکن مرا ہوا —— غم و اندوہ سے میری
حالت ابتر ہوگئی —— چیخ چیخ کر رونے کو دل چاہتا —— خدا رحم کرے۔ ہم سے
ایسی کون سی خطا ہوگئی تھی جس کی پاداش میں یہ عذاب ہم پہ نازل ہوگیا تھا۔
میں سوچ سوچ کر تھک گئی۔ ہماری شادی ہوئے ابھی پانچ سال ہی ہوئے
تھے۔ زندگی کی تمام مسرتیں اور خوشگواریاں ہمارے حصے میں آ گئی تھیں۔ ہمارے
چھوٹے سے خاندان میں ہر طرف خوشی کے نغمے گونجتے تھے، مگر اب وہی گھر تھا
جس میں موت کی سی بھیانک خاموشی اور قبرستان جیسی ویرانی طاری رہتی۔ بچوں کے
پھول سے چہرے کملا کر رہ گئے تھے اور ہمارے جسموں کا خون خشک ہوگیا تھا۔

دو مہینے اسی جاں کنی کے عالم میں گزرے۔ نومبر کا آدھا مہینہ بھی خیریت رہی۔
ایک روز شام کے چھ بجے کے بعد دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس روز گھر کی
مالکہ کرایہ لینے کے لیے آنے والی تھی۔ میں جلدی سے دروازہ کھولنے گئی۔ جم اپنے
کام پہ چلا گیا تھا اور میرے دونوں لڑکے اپنے کمرے میں تصویروں کا البم دیکھ رہے
تھے۔

دروازہ کھولتے ہی دہشت سے میری چیخ نکل گئی —— بدن سُن ہوگیا ——
ڈیوڑھی کی مدھم روشنی میں وہی پُراسرار مرد کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے دائیں گال
پہ گہرا سیاہ داغ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔

"آہ . . . ." اس کے حلق سے فاتحانہ نعرہ بلند ہوا۔ دو قدم آگے بڑھ کر
اس نے مجھے اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا اور پھر زور سے دھکا دے کر زمین پہ
گرا دیا۔

"ٹھہرو — ٹھہرو —" میں چیخی — اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ جلدی سے اپنے کوٹ کی جیبوں میں کوئی شے ٹٹول رہا تھا — شاید چاقو..... یا بلیڈ.....؟

دفعتہً گھر میں سے دونوں بچے حلق پھاڑ کر چلاتے ہوئے آئے اور اجنبی سے لپٹ گیے اور اس پر ننھے ہاتھوں سے گھونسوں کی بارش برسانے لگے۔ حملہ آور نے جھنجلا کر دونوں کو ایک ہی دو ہتڑ میں پرے پھینک دیا۔ میرے لیے یہی مختصر سا لمحہ کافی تھا۔ میں نے لپک کر بچوں کو پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔

پانچ منٹ سے بھی کم عرصے میں پولیس ہمارے مکان پر پہنچ گئی، لیکن اس بدمعاش کا کہیں پتہ نہ تھا۔ روتے اور سسکیاں لیتے ہوئے میں نے پولیس حکام کو اس کا مکمل حلیہ بتایا۔ پولیس لیفٹیننٹ خاصا متاثر ہوا۔ اس کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے کہا کہ اب ہمیں اس بدمعاش کی خاص نشانی معلوم ہو چکی ہے۔ وہ بچ کر نہیں جا سکتا، لیکن تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ چُپ چاپ مکان بدل لو اور کسی ایسے علاقے میں مکان لو جہاں آبادی گنجان ہو۔ وہاں اسے آنے کی جرأت نہ ہوگی۔

دس روز بعد ہم نے اس مکان کو نہایت حسرت سے الوداع کہا جس میں ہم پانچ سال سے تھے اور جو ہمارے دو بچوں کی یادگار تھا۔ مکان چھوڑنے کی اطلاع ہمارے صرف دو پڑوسیوں، ڈاک خانے اور پولیس والوں کو تھی۔ ہمارا اپنا گھر نارتھ ہالی وڈ میں آٹھ کمروں پر مشتمل ایک خوبصورت اور آرام دہ مکان تھا۔ اس مکان میں ہم نے ایک نئے نام سے ٹیلی فون لگوایا۔ "سمتھ" نام کے کوئی دو ہزار افراد ایسے تھے جن کے گھروں میں فون موجود تھے۔ ہمارا فون نمبر ڈھونڈ نکالنا آسان نہ تھا۔ یوں سمجھیئے کہ اب ہم ایک اجنبی شہر کے اجنبی محلے میں اجنبی لوگوں کے

درمیان بس گئے تھے۔ میں نے یہاں آکر بھی رات کو گھر سے نکلنا تو درکنار، دن کو بھی باہر جانا چھوڑ دیا۔ کوئی ضروری کام درپیش ہوتا تو بس کے ذریعے سفر کرتی اور وہ بھی کسی پڑوسن کی عورت کے ساتھ — پولیس والے نہایت سرگرمی سے جلے ہوئے چہرے والے بدمعاش کی تلاش میں تھے لیکن عجیب بات تھی کہ اس کا سراغ نہ ملتا تھا۔ ایک ایسا شخص جس کا چہرہ خوفناک حد تک جل چکا ہو، بھلا کس طرح لوگوں اور پولیس کی نظروں سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ سکتا تھا؟ آخر ایک پولیس افسر نے رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ضرور میک اپ کرتا ہے، لیکن جلد یا بدیر وہ پکڑا ضرور جائے گا بہرحال اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اب تک اس کا ڈر دل سے نکال چکا ہوتا۔"

کامل سات ماہ نہایت اطمینان اور خیر و عافیت سے گزر گئے۔ اس پُراسرار حملہ آور کا ڈر آہستہ آہستہ ہمارے دلوں سے دُور ہو گیا۔ جم نے اب رات کی ڈیوٹی چھوڑ دی تھی، کیونکہ اسے ایک اچھا اور زیادہ آمدنی والا کام مل گیا تھا — ہم نے نئی کار خرید لی تھی اور رفتہ رفتہ پارٹیوں اور دعوتوں میں جانے لگے۔ رقص و تفریح اور پکنک کے پروگرام بننے لگے۔

ایک روز جب کہ جولائی کا سورج پوری دل آویزی کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا میں اپنے مکان کے صحن میں گئی خدا جانے کس کام سے — اب مجھے یاد نہیں آتا — اور پھر میں نے اسے دیکھا وہ گلی میں سے گزر کر بس سٹاپ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی پشت اگرچہ میری طرف تھی اور مجھے اس کا چہرہ نہیں دکھائی دیا — لیکن مجھے یقین تھا کہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں — دفعتہً اس نے گھوم کر مکان کی طرف دیکھا اور پھر — میرے بدن میں جیسے سردی کی لہر دوڑ گئی — وہ جھپٹتا ہوا نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

ہانپتی کانپتی میں گھر میں گئی اور اپنے شوہر کو فون کیا۔ اُسے میری بات کا یقین ہی نہ آیا۔

"نہیں ضرور دھوکا ہوا ہے، وہ ہمیں کسی طرح نہیں ڈھونڈ سکتا۔"

"میں نے خود اس کا چہرہ دیکھا ہے — وہی تھا۔" میں نے اصرار کیا۔

وہ رات ہم نے آنکھوں میں کاٹی — طے پایا کہ ہمیں یہ مکان بھی چھوڑ دینا چاہیئے مگر حالات اس قدر پیچیدہ تھے کہ ہم بمشکل اس فیصلے پر عمل کر سکتے تھے ڈاکٹر نے مجھے سخت ہدایت کی تھی کہ میں چار ماہ تک بستر میں آرام کروں، کیونکہ ہمارے ہاں پھر ایک بچے کی آمد تھی۔ خدا کا شکر رہا کہ اس تمام عرصے میں وہ منحوس شخص نظر نہیں آیا۔ سٹیون کی پیدائش کے کچھ ہفتے بعد ہم نے یہ مکان بھی چھوڑا اور چند میل کے فاصلے پر اناسا بنگلہ لے لیا۔ ایک مرتبہ پھر فون کا نیا نمبر لگوانا پڑا۔

مگر افسوس کہ ہماری تمام تدبیریں ناکام رہیں۔ وہ کم بخت سائے کی مانند ہمارے تعاقب میں تھا اور مئی ۵۸ء کی ایک صبح — جس کا ذکر میں شروع میں کر چکی ہوں اس نے مجھے فون کیا۔

"کیا تم ابھی تک استری کر رہی ہو؟"

جی چاہتا تھا کہ سر دیوار سے ٹکرا دوں یا کچھ کھا کر سو رہوں۔ پولیس کو خبردار کیا گیا۔ گھر کے دروازے پھر بند کئے گئے اور بچوں کا باہر جانا موقوف کر دیا گیا۔ ایک ہفتے بعد پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جم نے ٹیلیفون ایکس چینج سے کہا کہ جس نمبر سے وہ بدمعاش ٹیلی فون کرتا ہے اس کا پتہ لگائے۔ لیکن ایکس چینج والے مجبور تھے وہ کہتے تھے:

"اسے پکڑنے کی یہی صورت ہے کہ جب وہ فون کرے آپ دیر تک اسے باتوں میں لگائے رکھیں۔"

مگر وہ بھی ایک ہی کائیاں تھا۔ ایک یا دو فقرے کہنے کے بعد فوراً فون بند کر دیتا۔ اب تو اکثر وہ ہفتے میں دو دو بار فون کرنے لگا۔ ایک مرتبہ جم کی موجودگی میں فون آیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر جواب دیا تو وہ کم بخت قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "آہا — تم ہو. . . . ." یہ کہا اور فون بند کر دیا۔ جولائی کے تیسرے ہفتے میں اس نے فون کیا اور مجھے دھمکی دی۔

"جمعرات کی رات کو تم گھر میں اکیلی ہوگی میں اس روز تم سے سمجھوں گا۔ تیار رہنا۔"
یہ دھمکی سن کر میں لرز گئی۔ جمعرات کو جولائی کی تیس تاریخ تھی۔ پولیس نے دن
سے ہمارے گھر کی نگرانی شروع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اس بدمعاش نے بدھ
دا اپنا وار کیا۔ میں میلے کپڑے چھانٹنے کے لیے گیراج میں گئی جو مکان سے
تھا۔ میری پشت دروازے کی طرف تھی اور میں کپڑوں کی گٹھڑی پہ جھکی کپڑے
دہ کر رہی تھی کہ اچانک میں نے اپنی پسلیوں پہ چاقو کی نوک سی چبھتی ہوئی
یں کی۔

"خبردار —— آواز نہ نکلے —— ورنہ یہیں مار دوں گا ——" پیچھے سے اس
غرا کر کہا۔ میں برف کی مانند سرد پڑ گئی۔

"گھر میں چلو ——" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور چاقو کی نوک بالکل میری
کی ہڈی کے ساتھ لگا دی۔

"م —— م ...... مگر ...... وہاں ...... ب ...... بچے ......"
میں نے ہکلا کر کہنا چاہا —— وہ ہنسا ——

"جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو —— بچے باہر کھیل رہے ہیں۔"

اس وسیع مکان میں اب دو فرد تھے۔ وہ اور میں —— ایک دوسرے کے
دشمن۔ خون کے پیاسے —— خاموشی سے اس کے اشارے پر چلتی ہوئی میں
چی خانے سے گزر کر ہال کمرے میں پہنچی ——

"غسل خانے کی طرف ...." حکم ملا۔

بے جان لاش کی مانند میں غسل خانے میں داخل ہوگئی۔ وہاں جو کچھ مجھ پر
وہ ایک بھیانک خواب کی مانند یاد ہے۔ اس نے چھ انچ پھل کا نوک دار
ہوا چاقو میری آنکھوں کے سامنے گھمایا اور دانت کچکچا کر کہنے لگا۔

"او کمینی عورت! تو نے مجھے ہمیشہ کے لیے بدصورت کر دیا —— دیکھ اب
تیرا حلیہ بگاڑتا ہوں۔ تو اب مجھ سے بھی بدتر ہو جائے گی .... دفعتہً"

اس نے چاقو سے میرے ٹخنے پر وار کیا۔ میرے منہ سے دبی سی چیخ نکلی
گاڑھا سُرخ خون میرے ٹخنے سے رس رس کر غسل خانے کے فرش پر پھیلنے لگا
میں نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا:۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"تمہیں بدصورت دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا اور نہایت بیدردی
سے میری پنڈلی میں چاقو گھونپ دیا۔

دفعتہً دروازے کی گھنٹی کا بٹن کسی نے دبایا۔ حملہ آور اُچھل کر پرے ہٹا۔

"خاموش" اس نے مجھے حکم دیا۔ اب پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر خوف و
ہراس کی لکیریں نمایاں ہوئیں۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے — وہ پھر چاقو لیے
آگے بڑھا۔

"میں تمہیں اپنی طرح بدصورت بنائے بغیر ہرگز نہ چھوڑوں گا۔" اس نے
پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

"ممی — ممی — تم کہاں ہو؟" جمی کی آواز مکان میں گونجی۔

"کہو کہ میں غسل خانے میں ہوں — یہاں مت آنا۔" حملہ آور نے آہستہ
سے کہا۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ہر چند کہ میری آواز بُری طرح کانپ
رہی تھی۔ وہ چاقو لیے میری طرف بڑھا۔ میں نے اس کا ارادہ بھانپ کر اپنا چہرہ
ڈھانپ لیا۔ اس کے ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ مجھے اب اپنی موت کا یقین ہو چکا
مگر..... نہیں اچانک وہ کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بھورے رنگ
کی پتلون میرے خون سے داغدار ہو گئی تھی — اس کی بغلوں سے پسینہ پانی
کی مانند بہہ نکلا تھا اور قمیص کی آستینیں اس سے تربتر تھیں۔

"میں پھر کبھی تم سے ملنے آؤں گا —"

اس نے کہا اور ہال کمرے میں سے ہوتا ہوا باہر گلی میں نکل گیا۔
پولیس والوں کا خیال ہے کہ وہ اس مرتبہ ضرور اسے پکڑ لیں گے اور

ممکن ہے کہ آپ یہ سطریں پڑھ رہے ہوں اور وہ شاید گرفتار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر میرا یہ حال ہے کہ مُردوں سے بدتر ہوں۔ جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ آتی بھی ہے تو خواب میں ایک چاقو گھومتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی ہوں۔ ذرا پتا بھی کھڑکتا ہے تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ میری عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں لیکن چار سال میں عمر کی اتنی ہی منزلیں طے کر آئی ہوں۔ جم بیچارہ ہر وقت گھر کے دروازے اور کھڑکیاں بند رکھنے میں مصروف رہتا ہے۔ بچے سہمے ہوئے میرے بستر کے گرد بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتے ـــــ کیا وہ دن آئے گا جب میرے ذہن سے اس پُراسرار شخص کا خوف نکل جائے گا اور میں ایک مرتبہ پھر مسرت بھری زندگی میں واپس لوٹ سکوں گی؟ شاید ـــــــــ!

تین مہمان

اکتوبر ۱۹۶۱ء کا ایک کہر آلود دن تھا۔ شکاگو کی میڈرڈ اسٹریٹ میں خاصا سناٹا تھا۔ صبح کے دس بجے تھے اور کاروباری لوگ، ملازمت پیشہ عورتیں اور مرد اپنے اپنے کاموں پر اور دفتروں میں جا چکے تھے۔ کبھی کبھار اِکّا دُکّا کار سکوت کو توڑتی ہوئی نکل جاتی اور پھر وہی خوشگوار سکون طاری ہو جاتا۔

میڈرڈ اسٹریٹ اور چیمسفورڈ اسٹریٹ کے چوراہے پر سڑک کے کنارے ایک منزلہ مکان کے سامنے والے کمرے میں مسز براؤن صوفے پر نیم دراز سوئٹر بُن رہی تھی کمرہ چھوٹا، لیکن ترتیب سے سجا ہوا تھا جس سے اہلِ خانہ کی خوش ذوقی ظاہر ہوتی تھی۔ کمرے کے پیچھے ایک چھوٹی سی لابی تھی جس کے دائیں طرف کھانے کا کمرہ اور بائیں طرف باورچی خانہ تھا۔ لابی کے سرے پر شب خوابی کے دو کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ مکان کا پچھلا دروازہ نہیں تھا، بلکہ دیوار کے پیچھے گیراج تھا جس کا دروازہ چیمسفورڈ اسٹریٹ کی جانب کھلتا تھا۔ لابی میں مسز براؤن کا آٹھ سالہ لڑکا جونز ریل گاڑی سے کھیل رہا تھا۔ اُس روز بخار ہونے کے باعث سے وہ اسکول نہیں گیا تھا! ورنہ روزانہ اس وقت وہ تنہا ہوتی۔ جونز تو پھر بھی بارہ بجے آجاتا، لیکن مسٹر براؤن اور لوسی پانچ بجے آتے۔ اس گھر میں یہی چار افراد تھے۔ کچھ اضافی سستی ہونے کی وجہ سے اور کچھ مالی حالت درست نہ ہونے سے ان کے ہاں نوکر نہیں تھا۔ براؤن ایک کتب فروش کے ہاں سیلزمین تھا۔ اُسے لگی بندھی تنخواہ ملتی جس کا ایک حصّہ پرانی کار کی قسطیں ادا کرنے میں نکل جاتا لوسی نے اسی سال کیمرج کیا تھا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک فرم میں ملازم ہو گئی تھی۔ اسے اگلے سال کالج میں داخلہ لینا تھا۔

صدر دروازے کی گھنٹی بجی اور مسز براؤن چونک پڑی۔ اُس وقت ڈاکیہ، سیلز
یجنٹ، کوئی ملاقاتی، خاکروب، کسی کے آنے کی توقع نہ تھی۔ وہ قدرے اضطراب سے
ٹھی۔ اُون کا گولا اور نصف بُنا ہوا سویٹر تپائی پر رکھا اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے دروازے
کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھُلا تو سامنے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کے
بال بکھرے ہوئے اور ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ چہرے سے درشتی اور سنگ دلی برس رہی
تھی اور آنکھوں سے خشونت اور دہشت جھانک رہی تھی۔ مسز براؤن اس حُلیے اور
وضع قطع کا مہمان دیکھ کر سراسیمہ ہوگئی۔ اس سے پیشتر کہ وہ اس سے کچھ پوچھتی، اس
کی نظر نووارد کے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور پر پڑی۔ وہ خوف زدہ ہو کر ایک
قدم پیچھے ہٹی اور دوسرے ہی لمحے چکرا کر زمین پر گر پڑی۔

اُسے ہوش آیا تو وہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا
سامنے اسٹول پر کوئی بیٹھا تھا، لیکن یہ وہ شخص نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور
تھا۔ وہ دہشت سے تھر تھر کانپنے لگی۔ معاً اسے جونز کا خیال آیا۔ وہ تڑپ کر اٹھی
اسے اُٹھتا دیکھ کر اسٹول پر بیٹھے ہوئے شخص نے دھیمی، لیکن گمبھیر آواز میں کہا، "جو!"

دریچے سے ہٹ کر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتا ہوا ایک آدمی اس کے سامنے آکھڑا
ہوا۔ یہ وہی تھا جس کے لیے اس نے دروازہ کھولا تھا۔ مسز براؤن نے گھبرا کر لابی کی
طرف دیکھا۔ جونز وہاں نہیں تھا۔ وہ وحشت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دریچے کے
قریب رکھی ہوئی کرسی پر اسے جونز بیٹھا دکھائی دیا۔ اس کا رنگ زرد تھا اور آنکھیں
خوف سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے سامنے بھی ایک شخص لمبا سا شکاری چاقو کھولے
بیٹھا تھا۔ مسز براؤن کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر جونز کی طرف
لپکی، لیکن جو نے اس کا راستہ روک دیا۔ اس نے مسز براؤن کو ریوالور کے اشارے
سے صوفے پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ وہ بے بسی سے صوفے پر گر پڑی اور آنسو بھری
آنکھوں سے جونز کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے بے بس گائے اپنے بچھڑے کو

قصاب کے چھرے تلے دیکھتی ہے۔

"مت گھبراؤ۔" جو نے ٹھہری ہوئی، لیکن درشت آواز سے کہا۔ "میرا نام جو ہے"

اس نے نظریں مسز براؤن کے چہرے پر گاڑ دیں۔

جو..... جو..... مسز براؤن کو جیسے یاد آگیا۔ یہ نام سنا تھا، پڑھا بھی تھا ابھی کل ہی اخبار میں ——— اُف..... اس نے اپنے ہونٹ شدت سے بھینچ لیے اور بُری طرح کانپنے لگی۔ خطرناک ڈاکو، بے رحم قاتل، اشتہاری مجرم، جسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے پر پولیس نے انعام مقرر کیا تھا ——— کیا یہ وہی جو تھا؟

"ہاں میں جو ہوں۔" غالباً جو نے اس کے دل کی بات پڑھ لی۔ "پولیس جس کی تلاش میں ہے اور یہ میرے دو ساتھی ہیں۔ ہم تمہارے گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہیں کیوں کہ اس سے زیادہ مناسب اور محفوظ جگہ اور کوئی نظر نہیں آتی۔ ہمیں اپنے ایک ساتھی کا انتظار ہے۔ وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچ جائے گا اور ہم چلے جائیں گے۔" وہ اس سکون اور اعتماد سے بول رہا تھا جیسے کوئی فرمان پڑھ رہا ہو۔ "لیکن وہ کب آئے گا، یہ ہمیں نہیں معلوم۔ آج شام تک، کل یا....." مسز براؤن کو، جو تھوڑی سکون ملا تھا، وہ چھن گیا۔ نہ معلوم کب تک ——— کب تک اس کا گھر ان سفاک قاتلوں اور خوف ناک ڈاکوؤں کے قبضے میں رہے گا اور لوسی؟ لوسی کا خیال آتے ہی وہ بے چین ہو گئی۔ لوسی سولہ برس کی نہایت خوبصورت اور صحت مند لڑکی تھی۔ یہ وحشی درندے بھلا اسے چھوڑیں گے؟ کیا کرے؟ لوسی کو گھر آنے سے کیسے منع کرے کیا کہے؟

"اس گھر میں تمہارے علاوہ اور کون کون ہے اور ان کے آنے کا کیا وقت ہے؟" جو نے ایک اور ضرب لگائی۔

"م..... م..... میرا شوہر،" وہ ہکلائی۔ جو نے دریچے کے قریب کھڑے شخص کی طرف دیکھا۔ "جیکی، پانی۔" جیکی بھاری بھاری قدموں سے چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد پانی کا گلاس لیے نمودار ہوا۔ گویا ان لوگوں نے گھر کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا

ہے۔ مسز براؤن نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے سوچا۔ اس نے دو گھونٹ بھرے۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے، اس کے باوجود وہ پانی نہ پی سکی اور گلاس جونز کی طرف بڑھا دیا۔ جیکی گلاس لیے جونز کی طرف بڑھا اور اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے تھام لیا۔ جب وہ گلاس خالی کر چکا تو مسز براؤن نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ گویا جونز اپنے حواس میں ہے۔

"میرا شوہر پانچ بجے آئے گا اور . . . ." وہ رُک گئی۔

"ڈرو نہیں۔" جو بھانپ گیا۔ "ہم اس گھر کے کسی فرد کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے ہمیں یہاں پناہ ملی ہے، ہم محسن کُش نہیں ہیں۔"

مسز براؤن کو اس کی باتوں میں دُرشتی اور اکھڑپن کے باوجود صداقت کی بُو آئی۔ اس نے سوچا کہ جب لوسی کو آنا ہی ہے تو چھپانے سے کیا فائدہ؟ کہیں الٹا اثر نہ ہو۔ وہ بولی، "اور میری لڑکی اپنے باپ کے ساتھ آتی ہے۔"

"کوئی اور؟" جو نے پوچھا۔ اس نے لڑکی میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ "نوکر، کوئی ملاقاتی"

"کوئی نہیں۔" اب مسز براؤن کے دل سے خوف ہٹتا جا رہا تھا۔ سب سے بڑا ڈر یہی تھا کہ وہ لوسی کو پریشان نہ کریں، لیکن وہ قطعی بے ضرر ثابت ہو رہے تھے۔ ممکن ہے پانچ بجے سے پہلے ان کا ساتھی آجائے اور وہ چلے جائیں، یا اگر نہ بھی جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اب تو ان بن بلائے مہمانوں کو ٹھہرانا ہی ہوگا۔ بجائے اس کے کہ کسی ناخوشگوار واقعے کو دعوت دی جائے، کیوں نہ حالات سے سمجھوتا کر لیا جائے۔

"اگر وعدہ کرو کہ ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ گے تو جب تک جی چاہے یہاں رہ سکتے ہو۔" مسز براؤن نے دل جمعی سے کہا۔

"یقیناً ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔" جو نے اعتماد سے کہا۔ "لیکن اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کی ذمّے داری تم پر ہوگی۔" اس نے اپنے تیسرے ساتھی کی طرف دیکھا جس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔ اس نے چاقو جونز کی گردن سے

لگا دیا۔ بیک وقت جونز اور مسز براؤن کے منہ سے ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ جو نے بڑھ کر مسز براؤن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"شور مچانے کی ضرورت ہے اور نہ کوئی فائدہ۔ مجھے امید ہے، ہم تمہیں زیادہ زحمت نہیں دیں گے، اب تم اپنا روزمرہ کا کام جاری رکھ سکتی ہو۔" مسز براؤن نے سویٹر اور سلائیاں سنبھال لیں۔

"جونز کو میرے پاس بٹھا دو، وہ ڈر کے مارے مر جائے گا۔" اس نے کہا اور جو کا اشارہ پا کر جونز لپکا اور ماں کی گود میں گر پڑا۔ مسز براؤن نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"ڈک تم ان کا خیال رکھو۔" جو نے اپنے تیسرے ساتھی سے کہا اور دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ ڈک مسز براؤن کے سامنے ایک مستعد شکاری کی طرح بیٹھ گیا۔ مسز براؤن کی انگلیاں جلد جلد چلنے لگیں۔ وہ اپنا اضطراب انگلیوں میں ڈھال رہی تھی وہ کبھی آنکھ اٹھا کر ڈک کے خون خوار چہرے کو دیکھتی کبھی دروازے پر کھڑے جو پر چھچلتی نظر ڈالتی۔

جو نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ سڑک بدستور سنسان پڑی تھی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جیکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ دونوں سرگوشی کرنے لگے۔ جونز بے کار بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ مسز براؤن سے رہا نہ گیا۔ وہ کہنے لگی۔ "جونز! جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔" جو نے اس کی آواز سن لی اور فوراً بولا۔ "نہیں، جونز یہاں رہے گا۔" اس نے سختی سے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا، "اس کے کھلونے کہاں ہیں؟"

"اس کے کمرے میں۔" مسز براؤن نے نڈر لہجے سے کہا اور اٹھنے لگی۔ اس نے سوچا تھوڑی سی مہلت مل جائے تاکہ وہ براؤن کو صورت حال سے آگاہ کر سکے لیکن جو بھی ایک ہی کائیاں تھا۔ اس نے مسز براؤن کو شانوں سے پکڑ کر بٹھا دیا اور بولا "جونز آپ لے آئے گا، جیکی اس کے ساتھ جاؤ۔"

ماں کا اشارہ پا کر جونز اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ جیکی اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ کچھ دیر بعد وہ کھلونوں سے لدا پھندا آیا۔ اس کی ہیئت دیکھ کر مسز براؤن کو ہنسی آگئی اس نے کھلونے فرش پر ڈھیر کر دیے اور جونز کو پاس بٹھا لیا۔ مسز براؤن کا سارا خوف جا رہا تھا۔ وہ بولی، ''میں کھانا تیار کر لوں۔ جونز کو بھوک لگ رہی ہوگی اور تم لوگ بھی .... '' اس نے بشاشت سے کہا۔ جو اس کا بدلا ہوا موڈ دیکھ کر مسکرایا اور بولا ''بڑی سمجھ دار عورت ہو۔ خدا کرے تمہارا شوہر اور لڑکی بھی ایسے ہی سمجھ دار ہوں اور ہم کسی ناگوار محنت سے بچ جائیں۔''

مسز براؤن کو پھر شوہر اور لڑکی کا خیال آگیا۔ وہ اپنے شوہر کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ بہت ضدی اور اپنی مرضی کا مالک تھا۔ ایک بار فیصلہ کر لیتا تو اسے بدلنا ممکن نہ تھا۔ اگر اس نے ان لوگوں سے مصالحت نہ کی تو کیا ہوگا؟ اگر وہ مجرموں اور قانون شکن کرنے والوں کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنا فرض پورا کرنے پر اڑا رہا۔؟ اس کے بدن پر کپکپی کی لہر دوڑ گئی وہ آج تک کوئی بات شوہر سے منوا نہ سکی تھی، بلکہ صاف بات تو یہ تھی کہ اس کی اپنی مرضی، اپنی کوئی رائے تھی ہی نہیں۔ اس کے چہرے سے بشاشت غائب ہوگئی اور وہ غم و فکر سے نڈھال ہو کر کھانا تیار کرنے لگی۔ کہہ دوں گی جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

''فون کہاں ہے؟ وہ چونکہ پڑی۔ جو باورچی خانے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔

''میرے شوہر کی خواب گاہ میں'' اس نے بے دلی سے کہا۔ دفعتہً اسے احساس ہوا کہ کیوں بتا دیا۔ کسی بہانے براؤن کو بآسانی فون کیا جا سکتا تھا۔ ہائے یہ موقع بھی گیا۔ وہ خود کو کوسنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ فارغ ہو کر نشست گاہ میں آگئی۔ جونز کھیلتے کھیلتے سو گیا تھا۔ ڈک کمرے میں تنہا تھا۔ جو اور جیکی وہاں نہیں تھے۔ خدا کرے کوئی انتظام کرنے گئے ہوں۔ اس نے دل میں سوچا اور آگے بڑھ کر جونز کو اٹھانے لگی۔ یکایک ڈک اٹھا اور اس نے بڑے پیار سے اسے ہاتھوں پر اٹھایا اور آہستہ سے صوفے پر لٹا دیا

مسز براؤن اس سے بہت متاثر ہوئی۔ کیا یہ لوگ اتنے ہی خطرناک اور سنگ دل ہیں جتنا اخبارات اور ریڈیو میں بتایا جاتا ہے؟ اس کا جی چاہا کہ ڈک سے باتیں کرے۔ لیکن کہاں سے شروع کرے اور پھر اس کا وہ خوفناک چہرہ، جس کی ہر سلوٹ پر لکھا تھا، یہ قاتل ہے، ڈاکو ہے، جیل سے بھاگا ہوا مجرم ہے۔

"تمہارا ساتھی کہاں سے آئے گا؟" آخر کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی چاہیے۔

"آئے گا نہیں، آئے گی۔" ڈک نے اپنے پیلے پیلے دانت نکال کر کہا۔ مسز براؤن چونک پڑی۔ کوئی عورت ہے؟ کیا وہ بھی اتنی ہی بھیانک ہوگی؟ ڈاکو اور قاتل ہوگی؟

"کیا اسے پتا معلوم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ یہاں کا چپہ چپہ جانتی ہے۔" ڈک نے بے پروائی سے کہا۔

کون ہو سکتی ہے؟ مسز براؤن کے ذہن میں گرد و پیش کی تمام عورتوں کا حلیہ آ گیا۔ کیا وہ اسی شہر، اسی علاقے کی رہنے والی ہے؟ کیا میں اسے جانتی ہوں؟

جو اور جیکی خواب گاہ کی سمت سے آئے۔ وہ اب تک ٹیلیفون پر بات کرتے رہے تھے۔ "وہ آج نہیں آ سکے گی۔" جو نے ڈک سے کہا اور پھر مسز براؤن کی طرف بڑھا اور بولا۔

"ہم آج شب یہیں بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے ساتھی نے بتایا ہے کہ پولیس نے شہر میں داخلے کے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔" وہ دریچے کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور پائپ نکال کر پینے لگا۔ جیکی ایک صوفے میں دھنس گیا۔

"اب اپنے شوہر کو قابو میں رکھنا تمہارا کام ہے۔" جو نے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ کھنچ گیا اور وہ ہونٹ بھینچ کر بولا "ہم بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتے، اگر خون خرابے کے بغیر ہی معاملہ ٹھیک ہو جائے تو اچھی بات ہے۔"

مسز براؤن کے سینے میں یہ جملہ تیر کی مانند لگا۔ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اُف خدایا، بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت نازل ہو گئی۔ بے دلی سے اٹھ کر وہ باورچی

خانے میں گئی اور وہاں سے کھانے کے کمرے میں جا کر کھانا لگانا شروع کیا۔ برتن میز پر رکھ کر وہ خاموشی سے لابی میں جا کھڑی ہوئی۔ وہ لوگ سمجھ گئے اور چپ چاپ کھانے کی میز پر جا بیٹھے۔ ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر انہوں نے کھانا ختم کیا اور پھر نشست گاہ میں پہنچ گئے۔ مسز براؤن جونز کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اس کی بھوک پیاس غائب ہو گئی تھی اور دل ڈوب رہا تھا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ جونز کو جگا کر کھانا کھلا دے۔ جو اور جکی کرسیوں ہی پر سو گئے تھے، البتہ ڈِک ایک ہوشیار چیتے کی طرح مستعد بیٹھا تھا۔ پانچ بجنے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ مسز براؤن کو دوپہر میں سونے کی عادت تھی۔ پریشانی اور ذہنی خلفشار کے باوجود اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ وہیں صوفے پر لڑھک کر سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو پونے پانچ بج رہے تھے۔ سامنے ڈِک اسی طرح بُت بنا بیٹھا تھا۔ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ مسز براؤن نے سوچا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کے خراٹوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔ جونز اب تک سو رہا تھا۔ مسز براؤن نے اس کی پیشانی کو چھوا۔ بخار تیز ہو گیا تھا۔ پندرہ منٹ، صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے اور دل لرزنے لگا۔ وہ چپکے چپکے سلامتی اور عافیت کی دعائیں مانگنے لگی۔

پانچ بجے اوپر سٹیمفورڈ اسٹریٹ پر کار رکنے کی آواز آئی۔ مسز براؤن چونک پڑی۔ ڈِک پھرتی سے اٹھا۔ ایک نظر باہر دریچے پر ڈالی اور لپک کر جو اور جکی کو اٹھانے لگا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ جو نے استفہامیہ نظروں سے مسز براؤن کی طرف دیکھا۔

"میری لڑکی ہے۔" مسز براؤن کی آواز کانپ رہی تھی۔

جو نے ریوالور نکال لیا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔ اُسی وقت مکان کے عقب سے گیراج کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

جو نے دروازہ کھولا اور لوسی کو ریوالور کی زد میں لے لیا۔ قریب تھا کہ لوسی کی چیخ نکل جاتی۔ لیکن جو نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ جو اسے صوفے پر بٹھا کر پھر دروازے پر پہنچ گیا۔ گیراج بند ہونے کی آواز آئی۔ کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ مسز براؤن سر سے پاؤں تک لرز رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لوسی اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔ اب اس کے چہرے پر خوف و ہراس کی جگہ غصہ اور حقارت نمایاں تھی۔ دروازہ کھلا اور براؤن کا پرسکون، سپاٹ چہرہ نظر آیا۔ جو کو دیکھتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ غالباً زندگی میں پہلی مرتبہ مسز براؤن اور لوسی نے اسے اتنا خوف زدہ دیکھا تھا، لیکن بیوی اور بیٹی پر نگاہ پڑتے ہی وہ سنبھل گیا اور رعب سے بولا ”کون ہو تم؟ میرے گھر میں کیا کر رہے ہو؟“

جو مسکرایا۔ ”خفا ہونے کی ضرورت ہے نہ اس سے فائدہ۔ آپ اطمینان سے تشریف رکھیے۔ ہم دوست ہیں۔“

”میرا کوئی دوست نہیں ہے۔“ براؤن کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ اس کی نظر جیکی اور ڈک پر پڑی اور وہ بپھر گیا:

”خوب، تو میرا گھر ڈاکوؤں کا اڈا بنا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟“

”مسٹر براؤن۔“ جو غرایا، ”شور مچانے کی کوشش مت کرو۔ سوائے اس کے کہ ہمیں وہ کام کرنا پڑے جو ہم کرنا نہیں چاہتے، تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

جو کا بدلا ہوا لب و لہجہ دیکھ کر مسز براؤن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”براؤن بیٹھ جاؤ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔“

”خاموش رہو۔“ براؤن گرجا، ”میں موت سے نہیں ڈرتا، مار دو مجھے گولی ۔ ۔ ۔“ وہ تیزی سے تب خوابی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ جو نے پیچھے سے اس کے سر پہ ریوالور کا دستہ مارا۔ مسز براؤن اور لوسی کے منہ سے بیک وقت چیخیں نکل گئیں۔ جو نے

بھی جاگ اٹھا اور رونے لگا۔ براؤن سر تھام کر زمین پر اوندھے منہ گر گیا۔ سر سے خون کی پتلی سی دھار نکل کر اس کے کپڑوں کو رنگین کر رہی تھی۔ مسز براؤن اور لوسی دیوانہ وار اٹھیں اور اس پر جھک گئیں۔

"وحشیو تم چاہتے کیا ہو؟" لوسی نے غضب ناک ہو کر کہا۔

"یہ اپنی ماں سے پوچھو" جو نے بے پروائی سے شانے جھٹکے اور دریچے کے قریب چلا گیا۔ مسز براؤن نے دبی دبی آواز سے لوسی کو ساری بات سمجھائی، لیکن اس کے چہرے پر کرب کے آثار بدستور نمایاں تھے۔

"میں ڈاکٹر کو بلانا چاہتی ہوں۔" لوسی نے غصے سے کہا، لیکن جو اور اس کے ساتھیوں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ "تم نے سنا نہیں؟" لوسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح کھڑی ہو گئی۔

"تم لوگ فرسٹ ایڈ بھی نہیں کر سکتیں؟" جو نے کہا، "اتنی سی بات کے لیے ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے؟" پھر اس نے جیکی کی طرف دیکھا، "جیکی ان لوگوں کی مدد کرو۔"

"ہمیں تمہاری مدد کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔" لوسی نے چلا کر کہا۔ "میں ڈاکٹر کو فون کرنے جا رہی ہوں، تم مجھے روک نہیں سکتے۔"

"ٹھہرو۔" جو نے گرج کر کہا، "اپنے خاندان کی تباہی کا باعث نہ بنو۔" پھر اس نے نرمی سے کہا، "دیکھو لڑکی، ہمیں یہاں چند گھنٹے اور ٹھہرنا ہے۔ ایک ساتھی کے آتے ہی ہم چلے جائیں گے۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے، تم بھی ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔" لوسی نے پلٹ کر کہا، "لیکن میں خدا سے بھی وعدہ کرتی ہوں کہ اپنے باپ کو یوں مرنے نہیں دوں گی۔"

لوسی پیر پٹختی ہوئی خواب گاہ کی سمت بڑھی۔ ڈک نے بڑھ کر اسے روکنا چاہا، لیکن جو نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ جیکی کو اس کی بے وقوفی پر بڑا غصہ آیا۔ یہ بیوقوف

خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ڈک بھی بڑبڑانے لگا، مگر جو اطمینان سے کمرے میں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد لوسی آئی اور جو سے کہنے لگی "تم لوگ ممی کے بیڈروم میں چھپ جاؤ اور ڈیڈی کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔" جیکی اور ڈک یہ سن کر حیران رہ گئے، لیکن جو نے انہیں اشارہ کیا اور انہوں نے بے ہوش براؤن کو اٹھا لیا۔ ان کے پیچھے مسز براؤن اور سہما ہوا جونز بھی چلے گئے۔

"تم بہت سمجھ دار بچی ہو۔" جو نے پیار سے کہا، لیکن لوسی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

صدر دروازے کی گھنٹی بجی۔ لوسی نے دروازہ کھولا اور ڈاکٹر کو لیے براؤن کے کمرے کی طرف بڑھی۔ مسز براؤن کے کمرے میں دروازہ بند کیے ایک سوراخ سے جو جھانک رہا تھا۔ تینوں چوکنے شکاریوں کی طرح مستعد کھڑے تھے۔ بند کمرے کی خاموشی میں ان کے دل گھڑی کی ٹک ٹک کی طرح چل رہے تھے۔ جو کو ڈاکٹر کمرے سے نکلتا نظر آیا۔ لوسی اُسے دروازے تک چھوڑنے گئی۔ جب وہ لوٹی تو تینوں لابی میں کھڑے تھے۔

"تمہارا بہت شکریہ لڑکی۔" جو نے بڑے ملائم لہجے میں کہا، لیکن وہ بالوں کو جھٹک کر براؤن کے کمرے میں چلی گئی۔ جو نے کلائی میں بندھی گھڑی میں دیکھا۔ ساڑھے چھے بجے تھے۔ اس نے متفکر نظروں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور براؤن کے کمرے میں چلا گیا۔

"خواتین معاف کرنا، مجھے فون کرنا ہے۔" اس نے اجازت کا انتظار کیے بغیر ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔ وہ دبی آواز سے باتیں کرتا رہا۔ لوسی کان لگائے سنتی رہی، لیکن اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔ جو نے ریسیور رکھ دیا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل گیا۔ لوسی نے دبے پاؤں اس کا پیچھا کیا۔

"وہ گیارہ بجے کے قریب آئے گی۔ پولیس نے شہر کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔

علم ہے کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں، تاہم وہ اس علاقے تک نہیں پہنچے ہیں، اس کا خطرہ ہے۔ اب ہمیں بڑی احتیاط سے یہ وقت کاٹنا ہے۔ جیکی تم ن کے کمرے کا خیال رکھو۔ ڈک تم غسل خانے میں جا کر عقب پہ نگاہ رکھو۔ دیکھو ں بالکل نہ چلے، کسی حالت میں بھی نہیں۔" جو احکام دے کر نشست کے کمرے کھڑکی کے قریب ایک اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

براؤن ہوش میں آ چکا تھا۔ لوسی گرم اوولٹین لائی جسے اس نے پی لیا۔ سب ے پہلے اس نے ڈاکوؤں کے متعلق پوچھا کہ وہ گئے یا ابھی تک ڈیرہ ڈالے پڑے ں۔ مسز براؤن کہنا چاہتی تھی کہ وہ چلے گئے، لیکن لوسی بول پڑی۔ "وہ گیارہ بجے جائیں گے۔" براؤن بیخ پا ہو گیا، "گیارہ بجے کیوں، ابھی کیوں نہیں جاتے؟" ں نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی، لیکن مسز براؤن اور لوسی نے اسے زبردستی دیا۔ اس پر نقاہت طاری تھی، تلملا کر بے بسی سے لیٹا رہا۔

رات کا کھانا کسی نے نہیں کھایا۔ لوسی صبح سے بھوکی تھی، لیکن وہ پانی بھی نہ پی تی تھی۔ جوز سو چکا تھا۔ براؤن کے کمرے کی بتی بجھا کر دونوں ماں بیٹیاں اسی کے رے میں بیٹھی تھیں۔ لوسی کی نظریں گھڑی پر لگی تھیں۔ گیارہ بجنے میں دو گھنٹے باقی ے۔ دو صبر آزما، ہوش ربا گھنٹے ـــــ مکان میں مکمل سکوت تھا۔

دس بج گئے۔ بن بلائے مہمانوں کو گھر میں قدم رکھے بارہ گھنٹے ہو چکے تھے براؤن کے لیے یہ گھنٹے بارہ سال سے کم نہ تھے۔ عذاب کے بارہ سال۔ لوسی جھنجلا تھی کہ پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی جاتی۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہی تھی قانون کی، شرے کی، انسانیت کی مجرم ـــــ نہ جانے جو اور اس کے ساتھی مزید کتنے ں کریں گے، کتنے گھروں پر ڈاکہ ڈالیں گے، کتنی زندگیاں ویران کریں گے۔ اگر وہ ذرا سی ہمت کرے ..... ذرا سی ... لیکن اس کا انجام۔ وہ محض معمولی ں مزاحمت کا انجام دیکھ چکی تھی۔ براؤن کے سر سے بہتا ہوا گاڑھا گاڑھا سرخ خون دیکھ کر اس کے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔ یہ درندے ان کو بھلا کب چھوڑنے والے

تھے۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ چلے جائیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ البتہ جونز کو سمجھا دینے کی ضرورت ہے! ورنہ بھانڈا پھوٹ گیا تو یہ گھر ہمیشہ کے لئے لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا۔ کوئی ان کی بے بسی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ان سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوگی۔ سب لعن طعن کریں گے، ممکن ہے پولیس بھی پریشان کرے۔

تیرھواں گھنٹہ شروع ہوا اور لوسی کا اضطراب بڑھ گیا۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا وہ دوپہر کو نہ سونے کی وجہ سے آرام کرسی ہی پر سو گئی تھی۔ براؤن بھی سو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے خواب آور دوا دی تھی صرف وہ جاگ رہی تھی یا اس کے مہمان۔ دفعتہً ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ لوسی اس کی طرف لپکی۔ مسز براؤن کی آنکھ کھل گئی اور وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"ہلو؟" لوسی نے پوچھا، اتنے میں جو اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اشارے سے کہا کہ پوچھو کون ہے۔

دوسری طرف سے کوئی عورت بول رہی تھی۔ لوسی نے ریسیور جو کے ہاتھ میں دے دیا۔ جو نے صرف ایک لفظ کہا جو لوسی کی سمجھ میں نہیں آیا جو خاموشی سے سنتا رہا پھر اس نے فون بند کر دیا۔ دروازے پر جیکی اور ڈک کھڑے تھے۔

"ہم میں سے دو آدمیوں کو دریا کے پل کی طرف جانا ہے۔ سادہ وردی میں ہوگی پل کے نیچے لانچ تیار ملے گی جس میں بیٹھ کر دریا پار کرنا ہوگا۔ سادہ پولیس آکر دو آدمی کو لے جائے گی۔ وہ کار کے ذریعے پل پار کریں گے۔" جو نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"لیکن پولیس وہاں بھی تو ہوگی؟" جیکی نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"اس کا اس نے انتظام کر رکھا ہے۔ اس نے میری ویدرٹاؤن سے انہیں فون پر بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی دریا پار کر کے جنوب کی سمت جا چکے ہیں۔" جو نے کہا۔

"اور پولیس نے اس پر یقین کر لیا۔" ڈک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ر پولیس نے اس پر یقین کر لیا، کیوں کہ اس نے بتایا کہ ہم اسے جبراً لیے
ے ہیں۔ اس نے ہم پر اغوا اور آبرو ریزی کا الزام بھی لگایا ہے۔" جو نے ہلکا سا
گایا۔ اس کے ساتھی بھی ہنسنے لگے۔

اچھا اب وہ دو آدمی کون ہوں گے؟" جو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

" ایک میں ......" ڈِک جلدی سے بولا۔

" دوسرا میں ......" جیکی کچھ محجوب سا ہو گیا۔

وب!" جو نے ہونٹ چبایا، "تو تم دونوں تیار ہو۔ ہاں تمہیں اپنی جان بچا
ں جانا ہی چاہیے پیچھے رہ جانے والے پر نہ جانے کیا بیتے۔" اس کے زہر
ے الفاظ ان کے دلوں میں پیوست ہو گئے، تاہم وہ انجان سے بن گئے۔

ے مصلحت ہی کہیں گے۔ خود غرضی نہیں۔" جو نے پھر تیر چلایا، "اچھا تو مسٹر
ی کی گاڑی نکالو اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔" اس نے لوسی کی طرف دیکھا۔

گیراج اور کار کی چابیاں انہیں دے دو۔"

" اور گاڑی.....؟" لوسی نے ہچکچاہٹ سے پوچھا۔

" اسے ہم ساتھ نہیں لے جائیں گے، پل پر کھڑی مل جائے گی۔ یا... تمہیں
ی آتی ہے؟" جو نے اسے گھور کر دیکھا۔

" آتی ہے، لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" لوسی نے فیصلہ کن لہجے میں

یہ بھی ٹھیک ہے۔" جو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ان کا کوئی اعتبار
۔ اچھا تو پھر چابیاں لاؤ۔"

وسی قدرے تذبذب میں پڑ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے باپ کے کپڑوں کو ٹٹولا
یوں کا گچھا نکال کر جو کے حوالے کیا، "تم ہمیں ضرور مصیبت میں پھنساؤ گے"
نے تنک کر کہا۔

" تم سورج نکلنے سے پہلے کار لے آنا۔" جو نے چابیاں اس سے لے کر جیک

کی طرف اُچھال دیں اور وہ دونوں دبے پاؤں صدر دروازے کی طرف بڑھے۔ اسے کھولا اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ چند لمحوں بعد کار چلنے کی آواز آئی۔ جو اور اس کے ساتھ ہی لوسی نے اطمینان کا سانس لیا۔

"میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا لڑکی۔" جو نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی اپنی بزدلی کو کبھی فراموش نہیں کروں گی۔" لوسی نے رکھائی سے جواب دیا۔ جو ہنسنے لگا۔

گیارہ بج چکے تھے۔ جو نشست گاہ کی بتی بجھائے کھڑکی سے لگا کھڑا تھا۔ دفعتہً دور سے کار کی دو بتیاں قریب آتی نظر آئیں۔ لوسی کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا سہارا لیے مسز براؤن بھی تیز تیز سانس لینے لگی۔ روشنی لحظہ بہ لحظہ قریب آ رہی تھی اور مکان کے عین سامنے ایک کار رک گئی اور مکان کے عین سامنے ایک کار رک گئی۔ جو نے ماں بیٹیوں کی طرف دیکھا، "الوداع مہربان دوستو" اس نے کہا۔

"الوداع۔" مسز براؤن کے منہ سے بھی نکل گیا اور لوسی نے گھور کر ماں کو دیکھا۔

"جو دروازہ کھول کر بغیر آواز پیدا کیے تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ کار کی طرف بڑھا۔ کار کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ جو نے مضبوطی سے ریوالور تھام رکھا تھا۔ کار سے چند قدم دور رک کر اس نے آہستہ سے کہا:

"سارا۔"

"چلے آؤ جو۔" کار کے اندر سے ایک کپکپاتی ہوئی زنانہ آواز آئی۔

جو نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا۔ دو اسٹین گنیں اس کے سینے سے پیوست ہو گئیں اور ساتھ ہی اگلی نشست سے پولیس کے دو افسر کود کر باہر نکلے۔ دوسرے دروازے سے دو اور تیزی سے اُتر کر اس کی طرف لپکے۔ وہ دو اسٹین گنوں اور چار ریوالوروں کی زد میں تھا۔

"جو ریوالور پھینک دو۔" ایک افسر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ جو نے کار کے اندر جھانکا۔ سارا کے حلق سے ریوالور کی نالی چپکائے ایک پولیس والا بیٹھا تھا۔

"خوب تو دھوکا دیا گیا۔" جو نے کہا۔ اسے کار میں دھکیل دیا گیا۔

مسز براؤن اور لوسی دروازے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بیک وقت خوف اور مسرت کی چمک تھی۔ ایک پولیس افسر گھر کی طرف آیا۔ مسز براؤن نے مضبوطی سے لوسی کا بازو تھام لیا۔ پولیس افسر قریب آ چکا تھا۔

"مسٹر براؤن کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ سو رہے ہیں۔ انہیں ڈاکوؤں نے زخمی کر دیا ہے۔" لوسی نے ہمت کر کے کہا۔

"اچھا! تو کچھ دیر میں آپ کی کار پہنچ جائے گی۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔" اس نے کہا۔

"اسے جیکی اور ڈِک ہمارے پروگرام کے مطابق لے گئے تھے۔" پولیس افسر نے بتایا، "ہم نے سارا کو پہلے ہی گرفتار کر لیا تھا اور اسی کے ذریعے سارا کام کروایا۔ اچھا۔ اب اجازت دیجئے۔"

پولیس افسر چلا گیا اور لوسی ماں سے لپٹ گئی ٭

شوقیہ قاتل

سر آرتھر کانن ڈائل نے شرلک ہومز کی زبانی ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر ایک ڈاکٹر جرائم کرنے لگے تو وہ زبردست مجرم بن سکتا ہے، کیونکہ اسے ایک ڈاکٹر کی حیثیت میں اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی کو ہلاک کرنے کے لیے کون سا زہر کب اور کس وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایک عام قاتل کی نسبت اُسے واردات سرانجام دینے کی بہت سی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں اور اسے پکڑنا بھی نہایت دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف موت کے سرٹیفکیٹ پہ دستخط کرتا ہے بلکہ وہ واردات کو ایک فطری مرض میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ مریض کے کمرے میں اس کا ہر لفظ ایک مقدس حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے تمام مشورے بلا چون و چرا تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ کوئی اس سے جرح کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لہٰذا ایک قاتل ڈاکٹر شاذ و نادر ہی اپنے مقصد میں ناکام ہوتا ہے۔

فرض کیجیے اگر ڈاکٹر کو مشتبہ سمجھ کر عدالت میں بلا لیا جائے تب بھی وہ صاف بچ نکلتا ہے۔ وہ بڑی آسانی سے ثابت کر سکتا ہے کہ مقتول فطری موت مرا ہے یا وہ یہ کہہ دے گا کہ "مجھ سے دوا دینے میں "غلطی" ہو گئی۔ اور میں نے جان بوجھ کر اسے ہلاک نہیں کیا، چنانچہ استغاثہ کے لیے جیوری کے ارکان کو مطمئن کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ قاتل ڈاکٹر نہ صرف واقعات و حقائق کو تبدیل کر سکتا ہے بلکہ استغاثہ کی جرح کا معقول جواب بھی دے سکتا ہے قتل کی ابتدائی وارداتوں میں ڈاکٹر کی جانب کسی کا خیال تک نہیں جاتا، کیونکہ

پولیس ہر جرم کا محرک، موقع اور ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن ڈاکٹر کی طبعی و ذہنی حالت ایک دو وارداتیں کرنے کے بعد پھر مستعد ہو جاتی ہے۔ اور وہ پے درپے قتل کی وارداتیں کرنے لگتا ہے اور پھر خود ہی کسی ذریعے سے پولیس اور عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے اور اس وقت سزا پاتا ہے جب وہ پندرہ بیس جانوں کو ہمیشہ کی نیند سلا چکا ہوتا ہے۔

انیسویں صدی میں انگلستان، فرانس اور امریکہ میں قتل کی جتنی وارداتیں وقوع پذیر ہوئیں ان میں اکثر وارداتیں قاتل ڈاکٹروں نے سرانجام دی تھیں۔ ان میں سے ہر ڈاکٹر نے بیس بیس پچیس پچیس جانوں کو ملک عدم پہنچایا تھا۔ ان میں سے ڈاکٹر تھامس نیل کریم کا نام سرفہرست ہے۔ ڈاکٹر نیل عورتوں کو قتل کرنے کی ایک نہایت زبردست فطری خواہش رکھتا تھا۔ اس کے نفسیاتی جائزے سے پتہ چلا تھا کہ اگر وہ ڈاکٹر نہ بھی ہوتا تب بھی ایک عادی مجرم ضرور

ڈاکٹر نیل اپنی میڈیکل ٹریننگ مکمل کرنے کے لیے لندن آ گیا۔ لیکن رائل کالج آف سرجن کا ممبر بننے میں ناکام رہا۔

۔مگر اڈنبرگ کے رائل کالج آف فزیشن اینڈ سرجن نے اسے اپنا رکن بنا لیا اور وہ سند پا کر ڈاکٹر کی حیثیت میں پریکٹس کرنے کے لیے کینیڈا واپس چلا گیا۔ لیکن بہت تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد اس کے مکان کے پچھواڑے میں ایک نوجوان لڑکی کی لاش پائی گئی جو کلوروفارم کی زیادتی سے ہلاک ہوئی تھی۔ اس واقعے نے ڈاکٹر کو کینیڈا چھوڑ کر امریکہ چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ تحقیقات نے موت کی علامات میں یہ ظاہر ہوا کہ اس لڑکی کو ناجائز حمل تھا اور وہ اسقاط حمل کے لیے کسی ڈاکٹر کی تلاش میں تھی۔ چونکہ ڈاکٹر نیل کے خلاف اس بات کا ثبوت نہیں مل سکا کہ اس نے لڑکی کو قتل کیا تھا لیکن اس پر شک کرنے کی وجوہ اتنی قوی تھیں کہ ڈاکٹر کی پریکٹس تباہ ہو گئی اور وہ شکاگو چلا گیا۔

شکاگو میں جب اس نے اپنا مطب کھولا تو اس کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ — وہ اسقاطِ حمل کا ڈاکٹر ہے اور جب ایک ناجائز آپریشن کے دوران ایک لڑکی مرگئی تو ڈاکٹر کے خلاف یہ شبہ اور تقویت پکڑ گیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی پولیس اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت پیش نہ کرسکی۔ چند ماہ بعد ایک اور لڑکی انہی حالات میں مرگئی۔ لیکن ڈاکٹر نیل کے خلاف فردِ جرم عائد نہ ہوسکی۔ ١٨٨١ء میں ایک اور خطرناک کیس وقوع پذیر ہوا۔ ڈاکٹر نیل نے اخبارات میں اشتہار دیا کہ وہ مرگی کا علاج کرسکتا ہے۔ ایک روز اس کے دفتر میں ایک نوجوان عورت داخل ہوئی جو نارتھ ایسٹرن ریلوے کے ادھیڑ عمر اسٹیشن

بن جاتا۔ لیکن بدقسمتی سے ڈاکٹر کی حیثیت میں اس کے لیے عورتوں کو ہلاک کرنا بہت آسان کام بن گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ایک عجیب فطرت یہ بھی کہ وہ قتل کے بعد لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا تھا۔ اسی خواہش کے نتیجے میں اسے دو مرتبہ قتل کے ارتکاب میں سزا ہوئی۔ شکاگو میں ایک لمبی سزائے قید بھگتنے کے بعد وہ ١٨٩١ء میں لندن آیا تاکہ یہاں اپنے خطرناک ارادوں کی تکمیل کے لیے زمین ہموار کرے اور اس سے پیشتر کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ اس کی شخصیت سے آشنا ہوسکے، اس نے چار طوائفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ڈاکٹر تھامس نیل ان چند قاتلوں میں سے تھا جو سزا پانے کے بعد بھی متعدد وارداتیں کیا کرتے ہیں اور آخرکار انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نیل بلا وجہ ہی قتل کی وارداتیں کرنے کا شائق تھا۔ اسے عورتوں کو ہلاک کرکے دیوانگی کی حد تک مسرت ہوتی تھی۔ نہ صرف اس میں جنسی جنون کی علامات موجود تھیں بلکہ وہ اذیت پسند (SADIST) بھی تھا اور اس خطرناک بیماری کا شکار تھا جس میں انسان جنسِ مقابل سے اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اپنی عمر کے ابتدائی دور ہی سے وہ نشہ آور دوائیں استعمال کرنے لگا تھا اور وارداتوں کے بعد بے گناہ لوگوں کو بلیک میل کرنے کی حرکتیں کیا کرتا تھا۔

۱۸۷۶ء میں ڈاکٹر تھامس نیل نے کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اسی زمانے میں اس نے ایک لڑکی کو اپنی داشتہ بنا رکھا تھا اور ڈاکٹر کو بعد میں اس لڑکی سے شادی کرنے پر مجبور کیا گیا۔ لیکن شادی کے ایک سال بعد ہی وہ لڑکی دق کے مرض میں مبتلا ہو کر چل بسی۔ اس کے بعد ایجنٹ دانیال سٹاٹ کی بیوی تھی۔ اس شخص کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ چند ہی روز میں ڈاکٹر نیل نے اس کی نوجوان بیوی سے ناجائز تعلقات استوار کر لیے اور اسے اپنی داشتہ بنا لیا اور یہ عورت ہر وقت اپنے خاوند کی دوا لینے کے بہانے ڈاکٹر کے مطب میں آتی جاتی رہتی۔

۱۱ جون ۱۸۸۱ء کا ذکر ہے ڈاکٹر نیل نے اس عورت کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اور کہا کہ یہ دوائیں کسی ڈرگ سٹور سے خرید لاؤ۔ چنانچہ وہ یہ دوائیں خرید لائی۔ بعد میں اس عورت نے عدالت میں بتایا کہ ڈاکٹر نیل نے دوا کی شیشی میں کوئی سفید رنگ کا سفوف ملا دیا تھا۔ بعد ازاں یہ "دوا" وہ اپنے گھر لے گئی اور خاوند کو کھلا دی جو پندرہ منٹ بعد ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ ہر چند کہ دانیال سٹاٹ کی دفعتاً موت سے ڈاکٹر نیل کے خلاف کسی شک و شبہ نے سر نہ اٹھایا لیکن ڈاکٹر نے بلا ضرورت خود ہی کارونر اور ڈسٹرکٹ اٹارنی کو خطوط تحریر کیے جس میں اس نے دوا فروش پر الزام عائد کیا کہ اس نے سٹاٹ کے نسخے میں غلطی سے کچلے کی ایک بڑی مقدار شامل کر دی تھی اور اسی زہر کے سبب مریض ہلاک ہوا ہے۔ چنانچہ دانیال کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی اور جب اس کا پوسٹ مارٹم ہوا تو پتہ چلا کہ جسم میں STRYCHNINE کی مقدار چار گرین تھی اور پولیس دوا فروش کے بجائے ڈاکٹر نیل کو شبے کی نظر سے دیکھنے لگی۔ ادھر ڈاکٹر بھی پولیس کی نگاہوں کا مطلب بھانپ چکا تھا۔ اس نے چپکے سے بحری جہاز میں نشست بک کرائی اور کینیڈا بھاگ گیا۔ اس کے جانے کے بعد دانیال کی بیوی نے پولیس کو سارا قصہ سنایا۔ چنانچہ ڈاکٹر کو کینیڈا کی پولیس

نے گرفتار کر کے شکاگو بھیج دیا۔ اور پھر اس پر دانیال سٹاٹ کے قتل کا مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن آئندہ ہلاک ہونے والوں کی بدقسمتی سے جیوری کے ارکان نے ڈاکٹر کو دوسرے درجے کے قتل کا مجرم قرار دیا اور اسے عمر قید کی سزا دی گئی۔

جولیٹ کے قید خانے میں دس سال قید بھگتنے کے بعد ڈاکٹر کو جون ۱۸۹۱ء میں رہا کر دیا گیا۔ انہی دنوں اس کا باپ وفات پا گیا اور ڈاکٹر کے لیے سولہ ہزار ڈالر کی خطیر رقم ورثے میں چھوڑ گیا جس کی مدد سے ڈاکٹر نے قتل کی مزید وارداتیں کیں۔ قید خانے سے نکلتے ہی ڈاکٹر انگلستان روانہ ہو گیا اور ۵ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو لندن پہنچ گیا۔ ۶ اکتوبر کی شام کو ڈاکٹر نیل کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جسے ڈاکٹر نے بتایا کہ نوجوانی کے عالم میں وہ سینٹ تھامس ہسپتال میں ایک طالب علم کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اس شخص نے پولیس کو بیان دیا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو ڈاکٹر نیل کے نام سے ظاہر کرتا ہے، انہی دنوں وہ ایک طوائف ایلزبتھ ماسٹرز سے ملا جو لوگیٹ سرکس میں رہتی تھی اور اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ بعد ازاں وہ اسے ایک پبلک ہاؤس میں لے گیا۔ وہاں انہوں نے شراب پی۔ پھر ایلزبتھ نے اسے ایک اور طوائف ایلزبتھ مئی سے متعارف کرایا۔ یہ طوائف بھی اسی مکان کے ایک کمرے میں رہتی تھی۔

تین روز بعد ایلزبتھ ماسٹرز کو ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ ڈاکٹر نیل تین اور پانچ بجے کے درمیان اس سے ملنے کے لیے آئے گا اور یہ کہ خط کو نہایت حفاظت سے رکھا جائے اور لکھنے والے کو واپس کر دیا جائے۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے ماسٹرز اور مئی دونوں طوائفوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر نیل مقررہ وقت پر چلا آ رہا ہے مگر اس سے پیشتر کہ وہ پبلک ہاؤس کے دروازے تک پہنچے، اسے ایک اور طوائف اپنے ہمراہ لے گئی جس کا نام مٹیلڈا کلوور تھا اور جسے یہ دونوں طوائفیں اچھی طرح پہچانتی تھیں۔ ڈاکٹر نیل کو اس کے ساتھ جاتے دیکھ کر یہ دونوں طوائفیں رقابت اور غصے سے پاگل ہو گئیں اور غالباً

اسی لیے ان کی جان بچ گئی۔

اس دوران میں ڈاکٹر نیل نے لیمبتھ پیلس روڈ پر ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ ۱۲ اکتوبر کو اس نے جب ایک کیمسٹ کی دکان سے NUSEVOMICA خریدا جو BRUCINE اور STRYCHNINE کا مرکب اور نہایت سریع الاثر زہر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے کیمسٹ کے رجسٹر میں اپنا صحیح نام اور پتہ درج کرایا۔ ۱۳ اکتوبر کو ایک طوائف جس کا نام ایلن ڈان ورتھ تھا، زہر سے ہلاک ہو گئی مرتے وقت وہ صرف یہ بیان دے سکی کہ وہ ایک طویل القامت شخص تھا جس کی آنکھیں ترچھی اور مونچھیں لمبی تھیں اس نے مجھے ایک بوتل سے شراب پلائی جس میں اس نے سفید رنگ کا سفوف ملایا تھا۔ یہ حلیہ بعینہٖ ڈاکٹر تھامس نیل کا تھا جو فی الواقع بھینگا تھا۔ جب اس طوائف کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس کے معدے میں STRYCHNINE کی بڑی مقدار موجود تھی۔

دو روز بعد کارونر کو ایک خط موصول ہوا جس پر " اے۔ او۔ برین سراغ رساں" کے دستخط تھے جس میں کہا گیا تھا کہ "میں ایلن ڈان ورتھ کے قاتل کے بارے میں تمام معلومات پولیس کو دے سکتا ہوں بشرطیکہ میری خدمات کے معاوضے میں آپ کی حکومت مجھے تین لاکھ پونڈ ادا کر دے۔"

اسی روز مسٹر ایف ڈبلیو۔ ڈی سمتھ کو ایک خط ملا۔ یہ شخص کیمسٹ کی دکان کرتا تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ " راقم خط کے پاس اس حقیقت کا ثبوت موجود ہے کہ تم نے ایلن ڈان ورتھ طوائف کو ہلاک کیا ہے۔"

بیس اکتوبر کو مٹیلڈا کلوور طوائف بھی قتل کر دی گئی۔ واردات سے ایک روز پیشتر اسے ایک خط موصول ہوا تھا جس میں گزشتہ رات کے لیے اس سے معاملہ طے کیا گیا تھا۔ اس رات وہ ایک آدمی کو اپنے کمرے میں لائی اور جب وہ واپس چلا گیا تو طوائف کی حالت اچانک بگڑنے لگی اور اس کا تمام

بدن اینٹھنے لگا اور وہ اسی جاں کنی کے عالم میں مرگئی۔ اس کے منہ سے صرف یہ جملہ ادا ہو سکا "اس آدمی نے مجھے زہر کی گولیاں کھلائی تھیں۔"

اس واردات کے ایک یا دو روز بعد ڈاکٹر نیل نے مکان کی مالکہ کو بتایا کہ لیمبتھ پیلیس روڈ پر رہنے والی ایک لڑکی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ سیوائے ہوٹل میں ان دنوں ایک امیرزادی کاؤنٹس رسل قیام پذیر تھی۔ اسے ایک خط ملا جس میں اس کے خاوند پہ الزام لگایا گیا تھا کہ کاؤنٹس کے خاوند نے مٹیلڈا طوائف کو زہر دے کر مارا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہارڈلے سٹریٹ میں رہنے والے ایک ڈاکٹر بروڈ بینٹ کو بھی خط ملا جس میں الزام لگایا گیا کہ اس نے مٹیلڈا طوائف کو (STRYCHINE) زہر سے ہلاک کیا ہے۔ گمنام خط لکھنے والے نے لکھا تھا کہ وہ ڈھائی ہزار پونڈ کے عوض اپنی شہادت فروخت کرنے کے لیے تیار ہے۔

یہ گمنام خطوط فوراً پولیس کے پاس پہنچا دیے گئے اور پولیس نے اسے کسی خبطی کی حرکت قرار دے کر قابل التفات نہ سمجھا اور اس طرح مٹیلڈا طوائف کی موت پر پُراسرار پردے پڑے رہ گئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر نیل نے اپنی شادی کا بہانہ کیا اور کینیڈا روانہ ہو گیا۔ کیوبا کے ایک ہوٹل میں اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی۔ ڈاکٹر نے گفتگو کے دوران اسے بتایا کہ وہ ایسی عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتا ہے جو بدکردار ہوں اور جب وہ ان کا علاج کرتا ہے تو اپنے چہرے پر نقلی مونچھیں چپکا لیا کرتا ہے تاکہ کوئی اسے شناخت نہ کر سکے ڈاکٹر نیل نے اس شخص کو ننگی عورتوں کی کئی تصویریں بھی دکھائیں۔ واپسی پہ وہ امریکہ گیا جہاں اس نے (STRYCHNINE) کی ایک بڑی مقدار خریدی اور یکم اپریل کو انگلستان روانہ ہو گیا۔

۱۱ر اپریل کو لیمبتھ میں رہنے والی دو لڑکیاں الائنس مارشن اور ایما شرول زہر

سے ہلاک کر دی گئیں۔ پولیس کے ایک سپاہی نے اس مکان سے ایک شخص کو باہر نکلتے دیکھا تھا جس نے ایا شرل کو فوراً پہچان لیا۔ چونکہ اسی نے اس شخص کو دروازے سے باہر نکالا تھا۔ مرنے سے پیشتر ان لڑکیوں نے بیان دیا کہ انہیں ایک شخص نے جو ڈاکٹر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ چند گولیاں کھلائی تھیں تحقیقاتی عدالت میں جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پیش کی گئی تو پتہ چلا کہ ان دونوں کو STRYCHNINE سے ہلاک کیا گیا ہے۔

اخبارات میں ان لڑکیوں کے ہلاک ہونے کی خبر پڑھ کر ڈاکٹر نیل نے مصنوعی طور پر غم و غصّے کا اظہار کیا اور اپنی مالکہ مکان کو بتایا کہ ایک ڈاکٹر ہارپر جو اسی مکان میں رہائش پذیر ہے۔ ان لڑکیوں کا قاتل ہے۔ چند روز بعد ڈاکٹر ہارپر کے والد کو جو ڈیون شائر میں رہتا تھا، ایک خط موصول ہوا جس پر "ڈبلیو۔ ایچ مورے" کے دستخط ثبت تھے اور جس میں تحریر تھا کہ "راقمِ خط کے پاس ایسی واضح شہادت موجود ہے جس کی بنا پر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ تمہارے بیٹے نے ان دونوں لڑکیوں کو زہر دیا ہے اور اگر تم اسے بچانا چاہتے ہو تو مجھے ایک ہزار پانچ سو پونڈ ادا کر دو۔ اس خط کے ساتھ اخبارات کے تراشے بھی منسلک تھے جن میں ایلن ڈان ورتھ کی موت کی تفصیلات درج تھیں۔

بلیک میل کے ان پُر اسرار خطوط کا نتیجہ کچھ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا، کیونکہ خط لکھنے والے نے کبھی اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کی زحمت گوارا نہ کی تھی، یہ خطوط قطعی فضول تھے اور انہوں نے پولیس کو یہ یقین دلایا تھا کہ کوئی دیوانہ یہ حرکتیں کر رہا ہے۔ ڈاکٹر نیل ان حرکتوں کے باوجود بھی مطمئن نہ تھا۔ اس نے ایک سراغ رساں سے جو ان تمام اموات کی تفتیش کر رہا تھا اپنے آپ کو متعارف کرایا اور اسے ایک خط دکھایا جو مارش اور شرل دونوں لڑکیوں کو خطاب کر کے تحریر کیا گیا تھا اور جس میں لکھا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہارپر سے خبردار رہیں جو انہیں زہر دینے

دے گا۔ جس طرح اس نے مٹیلڈا کلوور اور لاڈ ہاروے کو زہر دیا ہے، لیکن پولیس نے پتہ چلایا کہ لارڈ ہاروے تو ابھی تک زندہ تھی۔ اب پولیس کو ڈاکٹر نیل پر شبہ ہوا اور اس نے اس کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔ چند روز بعد اسکاٹ لینڈ یارڈ کا ایک خاص جاسوس ڈاکٹر نیل کے مطب میں آیا جس نے ڈاکٹر سے بہت سے سوالات کیے۔

ڈاکٹر نیل نے اسے امریکی گولیوں کا ایک ڈبہ دکھایا جس کے اوپر پہلا حصہ گرین STRYCHNINE کا لیبل لگا ہوا تھا اور جس کے بارے میں ڈاکٹر نے جاسوس کو بتایا کہ وہ لندن میں یہ دوا فروخت کرنے کا ایجنٹ ہے۔ پولیس کو ڈاکٹر نیل پر جو شبہ ہوا تھا اسے حقیقت تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ وہ تمام مقتول لڑکیوں کے ہمراہ دیکھا گیا تھا، اور یہ کہ گمنام خطوط اسی نے تحریر کیے تھے۔ اور پھر سب سے بڑا سراغ اس وقت روشنی میں آیا جب ڈاکٹر ہارپر کے والد نے پولیس کو وہ خط پیش کیا جو ڈاکٹر نیل نے اسے فرضی نام سے لکھا تھا۔ پولیس کو معلوم ہو گیا کہ یہ خط ڈاکٹر نیل نے لکھا تھا۔ پس پولیس نے ڈاکٹر کو دھمکی آمیز خطوط لکھنے کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ اب پولیس کو موقع مل گیا کہ وہ ڈاکٹر کی نقل و حرکت کے بارے میں گزشتہ تمام حالات کی چھان بین کرے، کہ وہ مقتولہ لڑکیوں سے کب ملا تھا اور کس کس نے اسے دیکھا تھا۔ بعد ازاں اس پر مٹیلڈا کلوور کے قتل کا الزام بھی عائد کر دیا گیا۔

عدالت میں ڈاکٹر نیل نے تمام جرائم کا اعتراف کیا اور آخر اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ صفائی کی طرف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ پاگل ہے اور اس پر جنسی دیوانگی کا مرض حاوی تھا، کیونکہ ان وارداتوں سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا سوائے اس کے کہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر مسرت محسوس کرتا تھا، لیکن جج اور ارکان جیوری نے ان دلائل کو مسترد کر دیا اور ڈاکٹر نیل کی سزائے موت برقرار رکھی۔

اور اس طرح دس عورتوں کا قاتل ڈاکٹر اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

لاش

یہ واقعہ ۱۹۱۸ء میں پیش آیا تھا۔ کرسمس کی آخری رات اپنی تمام رعنائیوں اور سرمستیوں کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی۔ برسٹل (کنکٹیکٹ) کی گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ برف باری اپنے عروج پر تھی۔۔۔ دفعتہً سٹی ہال پولیس ہیڈ کوارٹر میں فون کی گھنٹی بجی اور ڈیوٹی پر حاضر محرّر نے فون ریسیور کان سے لگایا۔ اس کے کان میں ایک عورت کی گھبرائی ہوئی آواز گونجی۔

"کیا آپ پولیس اسٹیشن سے بول رہے ہیں؟ ...... ذرا جلدی یہاں آیئے۔۔۔ میرے مکان سے کچھ فاصلے پر برف میں ایک عورت کی لاش پڑی ہے۔۔۔ جوزف اسٹریٹ کے سرے پر میرا مکان ہے۔۔۔۔ فوراً پہنچیے۔۔۔"

یہ کہہ کر عورت نے فون بند کر دیا۔ محرّر نے فوراً چیف آفیسر مسٹر کرانے سے رابطہ قائم کیا اور انہیں معاملے کی رپورٹ پیش کی۔ چیف نے حکم دیا کہ سرجنٹ ولیم اور گشتی پولیس افسر جوزف کو فوراً موقع واردات پر بھیجا جائے!

چنانچہ ان دونوں پولیس افسروں کو روانہ کر دیا گیا۔ ان کے پیچھے پیچھے چیف کانسٹیبل کرانے بھی تیار ہو کر چل پڑا جب وہ موقع واردات پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سرجنٹ ولیم اور جوزف گھٹنوں کے بل ایک عورت کی لاش پر جھکے ہوئے اس کا بغور معائنہ کر رہے ہیں۔ لاش پیٹھ کے بل برف پہ پڑی تھی۔ اس کے جسم پر فر کا قیمتی کوٹ موجود تھا لیکن سر پر پہننے کا زنانہ ہیٹ غائب تھا۔ اس کی عمر اندازاً تیس سال، جسم درمیانہ اور بالوں کا رنگ

گہرا براؤن تھا۔ چیف نے فوراً میڈیکل ایگزامینر کو طلب کرنے کا حکم دیا۔

لاش جس مقام پر پڑی تھی وہ ایک تنگ سی پگ ڈنڈی تھی جو قریب ہی بنے ہوئے لکڑی کے ایک چھوٹے سے دو منزلہ مکان کے صدر دروازے پر ختم ہوتی تھی۔ یہ مکان برسٹل کے نواحی علاقے میں تھا اور یہاں آبادی زیادہ نہ تھی۔ اِکّا دُکّا مکانات تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر۔ مکان میں برقی روشنی ہو رہی تھی لیکن کھڑکیوں پر پردے کھینچ دیے گئے تھے۔

چیف آفیسر پگ ڈنڈی پر چلتا ہوا مکان کے دروازے تک گیا اور زور سے دستک دی۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت، اپنی ڈھلکی ہوئی چھاتیوں پر چادر اوڑھے ہوئے دروازہ کھولنے آئی۔ اس نے اپنا نام مسز نومی کوسلیگن بتایا

"مسز نومی آپ کو اس وقت کیسے پتہ چلا کہ مکان سے باہر ایک عورت کی لاش پڑی ہے؟" پولیس آفیسر نے دریافت کیا۔

اس سوال پر عورت کچھ پریشان سی نظر آئی۔ لیکن سنبھل کر بولی۔

"صاحب، بات دراصل یہ ہے کہ کرسمس کی آخری شب کو ہر سال میرے ہاں دوستوں کی ایک محفل منعقد ہوتی ہے جس میں سب لوگ رات گئے تک مبارک باد کے گیت گاتے ہیں اور میرے لیے اکثر تحفے تحائف بھی لاتے ہیں! چنانچہ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد میں نے تحفوں کے بنڈل کھولے، اور اوپر کے کاغذ اور گتّے کے ڈبے باہر پھینکنے کے لیے جب میں مکان سے نکلی تو میری نظر اس لاش پر پڑی۔ پہلے تو میں سمجھی کہ کوئی خاتون برف پر پھسل کر گر پڑی ہے اور یہ سوچ کر کہ میں اس کی کچھ مدد کر سکوں، جب قریب پہنچی تو دیکھا وہ مُردہ تھی۔ پھر میں نے واپس آ کر پولیس کو فون کر دیا۔"

"کیا آپ نے اس کے چہرے کو اچھی طرح دیکھا تھا؟" پولیس افسر نے سوال کیا۔

"جی ہاں، میں نے اسے بغور دیکھا تھا۔ مگر میں اسے نہیں پہچان سکی کہ وہ
ن ہے۔ بہر حال وہ ہمارے علاقے کی رہنے والی معلوم نہیں ہوتی، ورنہ میں اسے
ں نہ کہیں ضرور دیکھ چکی ہوتی۔"

"کیا آپ نے شام کے وقت مکان سے باہر کسی کار کے رکنے کی آواز تو
یں سنی تھی؟"

"جی نہیں — میں نے کسی کار کی آواز نہیں سنی اگر کوئی کار قریب رکتی تو
یقین کیجئے میں اس کی آواز ضرور سن لیتی۔ بات در اصل یہ ہے کہ اس علاقے
میں بہت کم لوگ کاریں لے کر آتے ہیں اور خاص طور پر اس برف باری کے
موسم میں تو کار کا لانا بڑا مشکل ہے۔ ویسے بھی سر شام یہ علاقہ سنسان ہو جاتا ہے
اگر کوئی کار آتی تو مجھے ضرور پتہ چل جاتا۔"

اس اثنا میں میڈیکل ایگزامینر موقعٔ واردات پر پہنچ گیا۔ چیف کانسٹیبل مسٹر
ڑالے نے مسز نومی کے مکان سے فون کر کے سراغ رساں ولیم اور آرتھر کو طلب
یا۔ اس کے بعد اس نے ہارڈ فورڈ پولیس اسٹیشن سے سراغ رساں جان پیرفن
کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلا اور لاش کے
پاس گیا جہاں میڈیکل ایگزامینر اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہیئے ڈاکٹر صاحب، کیا آپ کی رائے میں اسے قتل کیا گیا ہے؟" چیف نے پوچھا

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے!" ڈاکٹر نے کہا — "ہر چند میں نے لاش
کا سرسری معائنہ کیا ہے، لیکن اس کی ظاہری حالت، چہرے اور گلے پر خراشوں کے
نشانات صاف بتا رہے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔

اتنی دیر میں سرجنٹ جیکسن اور گشتی آفیسر گرد و نواح میں گھوم پھر کر واپس پلٹ
ئے۔ انہوں نے بتایا کہ اس حلیے کی عورت کو یہاں کوئی نہیں جانتا۔ چیف نے
ڈاکٹر سے پوچھا — "آپ کی رائے میں عورت کو کس وقت ہلاک کیا گیا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے کہ آدھی رات سے ذرا قبل ہی یہ واردات ہوئی ہے" ڈاکٹر

نے کہا۔ دفعتہً اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور وہ بولا "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ لباس جو عورت کے بدن پر ہے، وہ اس کے جسم پر فٹ نہیں بیٹھتا۔ یہ بہت چُست ہے اور سستے کپڑے کا ہے، حالانکہ اس لباس کے اُوپر پہنا ہوا فر کوٹ خاصا قیمتی ہے۔

چیف کانسٹیبل نے بھی اس عجیب صورت کو محسوس کیا اور کہا کہ بے شک یہ لباس اس عورت کا نہیں ہو سکتا۔ لاش کے معائنے کے بعد میڈیکل آفیسر نے حکم دیا کہ اسے اوبرن کے ہسپتال میں بھیج دیا جائے جہاں وہ کارونرز کے سامنے اس کا پوسٹ مارٹم کرے گا۔ لاش جس مقام پر ملی تھی، اس کے ارد گرد کا ایک ایک چپہ پولیس نے چھان مارا لیکن کوئی سراغ نہ ملا اور نہ انہیں مقتولہ کا پرس ہی کہیں پڑا ملا جس کی انہیں خاص طور پر تلاش تھی۔ صبح تک کی چھان بین اور تحقیق کے باوجود مقتولہ کی شناخت نہیں ہو سکی، اُسی روز صبح آٹھ بجے جبکہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جانے والا تھا، ہسپتال کے ایک اٹنڈنٹ آفیسر مسٹر انتھونی نے لاش کو بغور دیکھنے کے بعد کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس عورت کو میں پہلے کہیں دیکھ چکا ہوں۔" جب اس سے مزید پوچھ گچھ کی گئی اور کہا گیا کہ وہ ذہن پر زور دے کر یاد کرے کہ اس نے مقتولہ کہاں دیکھا تھا تو مسٹر انتھونی نے بتایا کہ مقتولہ اسی علاقے کی رہنے والی معلوم ہوتی ہے جہاں سے وہ خود آیا ہے۔ یعنی پلین ول کے نزدیک ہی کہیں رہتی تھی کیونکہ انتھونی اسے مین اسٹریٹ میں کئی بار شاپنگ کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ البتہ اسے مقتولہ کا پتہ اور نام معلوم نہ تھا۔ مسٹر انتھونی کا بیان جب ہارڈ فورڈ پولیس تک پہنچا تو انہوں نے چار سراغ رسانوں کو مقتولہ کی شناخت کرنے پر مقرر کیا۔ یہ اکٹھے ہو کر پلین ول گئے اور وہاں کے تھانے دار سے معلومات حاصل کرنے لگے۔

ادھر ہسپتال میں چیف کانسٹیبل مسٹر کرالے نے پولیس پیتھالوجسٹ مسٹر جوزف بوپ [illegible] سے کیس پر گفتگو کی۔ مسٹر جوزف نے لاش کے پوسٹ مارٹم میں بھی شرکت کی تھی

ٹر جوزف نے چیف کانسٹیبل کو بتایا کہ جس شخص نے عورت کا گلا گھونٹا وہ عمولی طور پر طاقت ور تھا۔ مقتولہ نے اپنی زندگی بچانے کے لیے بڑی جدوجہد تھی، لیکن قاتل کی فولادی انگلیاں اس کی جان لے کر رہیں۔ یہ عین ممکن ہے قاتل کے چہرے اور بازوؤں پر عورت کے ناخنوں کی خراشیں موجود ہوں ۔۔۔ ٹر نے کہا مجھے یقین ہے کہ عورت نے ایک سے زائد مرتبہ قاتل کے بازو پر دانتوں کاٹا بھی تھا۔ یہ تمام نشانات قاتل کو شناخت کرنے میں بڑی مدد دے سکتے ۔ اس کے علاوہ ایک چیز اور ہے جو مقتولہ کی شناخت میں مدد دے سکتی ہے وہ یہ کہ مقتولہ آنکھوں پر عینک لگایا کرتی تھی۔

یہ سن کر مسٹر کرالے کو یاد آیا کہ جب لاش ملی تھی تو اس کے گرد کوئی عینک ں پائی گئی۔ ڈاکٹر نے کہا عینک ضرور تلاش کیجیے۔ وہ ضرور کشمکش کے دوران یں گری ہوگی۔ سمجھ لیجیے کہ جہاں عینک ملے وہیں یہ واردات وقوع پذیر ہوئی ۔ اس کے بعد گفتگو مقتولہ کے لباس پر منتقل ہو گئی۔ پولیس افسر نے کہا ایسا معلوم تا ہے کہ وہ لباس کسی اور ہی عورت کا ہے اور مقتولہ کا اپنا لباس کہیں چھپا دیا گیا ہے

”یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لباس مقتولہ کا اپنا ہی ہو۔ بعض اوقات عورتیں جلدی ں اپنے پرانے کپڑے پہن لیتی ہیں۔“ ایک سراغ رساں نے اپنی رائے ظاہر کی۔

”جی نہیں ۔۔۔ کرسمس کی تقریبات کے موقع پر کوئی عورت پرانا لباس ہرگز یں پہنا کرتی۔ غریب سے غریب عورت بھی یہ کوشش کرتی ہے کہ وہ کرسمس پر تر سے بہتر لباس پہنے۔“ ڈاکٹر نے معقول جواب دیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ پولیس افسران مسز کوسٹیگن کے مکان کے اردگرد علاقے کی چھان بین کرنے لے تھے انہیں کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ مکان کے پچھواڑے کچھ فاصلے پر جہاں چاروں طرف جنگل ہی جنگل ہے ایک گیراج واقع ہے اور گھاس کے ایک ڈھیر ں سے مقتولہ کی ٹوٹی ہوئی عینک دستیاب ہو گئی ہے ۔۔۔ اندازہ یہ ہے کہ عورت کو جنگل میں ہلاک کیا گیا ہے اور بعد ازاں لاش کو مسز کوسٹیگن کے مکان

کے قریب ڈال دیا گیا تھا۔ کار کا گیراج مسز کوشیگن کے مکان کی پشت پر بنا تھا۔ پولیس والے جب گیراج کا دروازہ کھول کر اندر گئے تو انہیں سیاہ رنگ کی ایک پیلے ملے کار نظر آئی۔ گاڑی کے دروازے معمولی طور پر بند کیے گئے تھے اور ان میں قفل نہیں لگایا گیا تھا۔ پولیس افسروں نے کار کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو انہیں پچھلی نشست پر بیس ڈالر کا ایک بل اور لپ اسٹک کی ڈبیا ملی۔ کار کی کھڑکی کے پاس انہیں بھورے رنگ کے چند لمبے لمبے بال بھی ملے اور ایک نظر دیکھتے ہی انہیں احساس ہوا کہ یہ بال مقتولہ کے بالوں سے کافی مشابہ رکھتے ہیں۔ کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ ایک مرتبہ پھر مسز نومی کاسٹیگن کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا کہ کار کا مالک کون ہے؟ عورت نے کہا:

"یہ کار میری نہیں ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ میرے پڑوس میں ایک شخص آرتھر رہتا ہے۔ واردات سے ایک رات پیشتر اس نے گیراج کرائے پر لے کر کار اس میں کھڑی کی تھی۔"

اس بیان پر پولیس والے آرتھر کی تلاش میں نکلے۔ آرتھر نے کہا کہ جب سے کار گیراج میں رکھی گئی ہے اس وقت سے اس لمحے تک میں نے اسے استعمال نہیں کیا۔ اس نے بھورے بالوں، لپ اسٹک کی ڈبیا بیس ڈالر کے بل اور ٹوٹی ہوئی عینک کے بارے میں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ گیراج کا دروازہ مقفل نہیں ہوتا۔ لہٰذا کوئی بھی شخص گاڑی استعمال کر سکتا تھا۔ اس کے بعد آرتھر نے گزشتہ روز اپنی مصروفیت کے بارے میں ایک ایک منٹ کا حساب پولیس والوں کو دیا۔ پولیس نے اس کے بیان پر تحقیق کی تو اسے درست پایا۔ لہٰذا اس واردات میں آرتھر کا ملوث نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ وہ واردات کے وقت برسٹل میں موجود ہی نہ تھا۔

اس تفتیش سے فارغ ہو کر پولیس پھر مسز کوسٹیگن کے پاس گئی اور اس

سے پوچھا۔

"کیا آپ کو کامل یقین ہے کہ مکان سے باہر دس بجے رات کے بعد کوئی کار نہیں ٹھہری تھی ؟" عورت نے اپنا وہی بیان دہرایا جو وہ پہلے پولیس کو دے چکی تھی اور کہا کہ اگر کوئی کار یہاں رکتی تو وہ اسے ضرور دیکھ لیتی۔ البتہ اس نے کہا کہ چونکہ گیراج مکان کے پچھواڑے واقع ہے اس لیے اگر کوئی کار وہاں رکتی تو میں اس کی آواز نہ سن سکتی تھی اور وہاں سے ہر شخص بآسانی کار لے جا سکتا ہے۔
پولیس والوں نے گیراج کے ارد گرد ہر جگہ کو غور سے دیکھا۔ آخر کئی سو فٹ دور جنگل میں انہیں ایک مقام پر زنانہ پرس پڑا ملا۔ انہوں نے پرس کھولا تو خالی تھا۔ ایک پولیس افسر نے مزاحیہ انداز میں کہا :

"میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں کسی عورت کا پرس خالی دیکھ رہا ہوں۔" پرس کے ایک خفیہ خانے سے کاغذ کی ایک لمبی سی سلپ بھی برآمد ہوئی جس پر ترتیب وار چند رقمیں درج تھیں۔ اس فہرست کے اوپر ایک نام تحریر تھا جو بڑی کوشش کے بعد پڑھا گیا۔ یہ نام تھا "رچ"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کاغذ پر تنخواہوں وغیرہ کا حساب کتاب نوٹ کیا گیا ہے۔" ایک سراغرساں نے رائے ظاہر کی ـــ اور دوسروں نے اس سے اتفاق کیا۔ اچانک ایک آفیسر کی نظریں قریب ہی کھدے ہوئے ایک گہرے گڑھے پر پڑیں جسے رات بھر گرنے والی برف نے ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ انہوں نے قریب جا کر اس "قبر" کا معائنہ کیا۔

"آہ ـــ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قاتل نے لاش کو دبانے کے لیے یہ گڑھا کھودا تھا، لیکن کسی خاص سبب کے باعث اس نے لاش کو پھر گڑھے سے نکالا اور وہ اسے مکان کے قریب پھینک کر فرار ہو گیا۔"

چیف کانسٹیبل نے کہا :

"جناب آپ بھول رہے ہیں۔ جب ہم نے مقتولہ کی لاش کا معائنہ کیا تھا تو

اُس وقت اس کے کپڑے قطعی صاف ستھرے تھے ان پر خون یا مٹی کا کوئی داغ موجود نہ تھا۔ اگر وہ اس گڑھے میں دفن کیے جانے کے بعد دوبارہ نکال کر وہاں ڈالی جاتی تو اس کے کپڑے مٹی میں لت پت ضرور ہوتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ قاتل کو کسی وجہ سے لاش دبانے کا موقع ہی نہیں ملا۔"

اسی روز دوپہر کو تین بجے پولیس کو لاش کے پوسٹ مارٹم کی مکمل رپورٹ ملی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

> عورت سے جبراً بدفعلی کی گئی ہے اور بعد ازاں اس کا گلا گھونٹ دیا گیا اور مقتولہ جاں کنی کی حالت میں دم توڑ گئی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ افراد نے مقتولہ کے ساتھ جبراً اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔

اس سے اگلے روز پولیس کو سرجنٹ انتھونی نے پلین ولی قصبے سے اطلاع دی کہ مقتولہ کو شناخت کر لیا گیا ہے اس کا نام "رچ" تھا۔ وہ شادی شدہ تھی۔ اور اس کے والدین اپنی لڑکی کی "گم شدگی" پر بڑے پریشان ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ لڑکی کرسمس کے روز گھر سے گئی تھی اور اب تک واپس نہیں آئی۔ انہوں نے اپنی لڑکی کا جو حلیہ بتایا وہ مقتولہ سے کافی مشابہت رکھتا تھا۔ بہرحال مقتولہ کے والدین کو اس کی موت کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ مقتولہ کے والدین نے پولیس کو بتایا کہ لڑکی کا پورا نام للین جارج رچ تھا اور حال ہی میں اس کی شادی ایک ۲۶ سالہ شخص ہیرلڈ بریکیٹ سے ہوئی تھی لیکن باہمی اختلافات پیدا ہونے کے باعث وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ للین اپنے والدین کے گھر رہنے لگی اور بعد ازاں اسے راک ویلز آرمر کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ اس کا خاوند اپنی والدہ کے ہمراہ سٹافورڈ میں رہتا ہے۔

مقتولہ کے والدین سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا انہیں معلوم ہے کہ لڑکی کرسمس کے روز کس شخص کے ساتھ باہر گئی تھی؟ تو انہوں نے کہا ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ

اس کے ساتھ کون تھا اور وہ کہاں گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر پولیس آرمز کمپنی کے مینجر کے پاس پہنچی اور مقتولہ کے ہینڈ بیگ میں سے جو سلپ نکلی تھی وہ اسے دکھائی۔ اس نے جواب دیا کہ بے شک اس حلیے اور اس نام کی ایک لڑکی ہماری کمپنی میں ملازم تھی اور اس کاغذ پر اس کی ان تنخواہوں کا حساب تحریر ہے جو وہ کمپنی سے وصول کرتی رہی ہے۔ پولیس نے مینجر سے جب دریافت کیا کہ کیا لڑکی کا رومان کمپنی میں کس سے چل رہا تھا؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔

اب مقتولہ کے خاوند کی باری آئی۔ جب پولیس اس کے گھر پہنچی تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ ہیرلڈ کی والدہ نے بتایا کہ وہ گزشتہ رات سے اب تک گھر واپس نہیں آیا ہے ابھی بوڑھی عورت سے پوچھ گچھ جاری تھی کہ ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ ہیرلڈ نے جب پولیس افسروں کو اپنے گھر میں پایا تو اسے سخت تعجب ہوا۔ اسے للین کے قتل کی اطلاع دی گئی تو وہ پولیس کے ساتھ مردہ خانے میں جا کر مقتولہ کو شناخت کرنے پر رضامند ہو گیا۔ لاش کو ایک نظر دیکھتے ہی وہ چلّا اٹھا "ہاں یہ وہی ہے — میری بدنصیب بیوی۔"

بعد ازاں اس نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہماری حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے مزاج نہیں مل سکے اور اس سے پیشتر کہ ہم دونوں کے تعلقات میں تلخی پیدا ہو، ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بہرحال میں اس کا دشمن نہ تھا اور نہ وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی، اس لیے میں اسے قتل کیوں کرتا؟

اس کے بعد ہیرلڈ نے اپنی گزشتہ روز کی سرگرمیوں اور مصروفیات کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کہاں کہاں گیا۔ پولیس نے اس کے بیان کی تحقیق کی تو اسے درست پایا۔ چنانچہ ہیرلڈ کو بھی اپنی بیوی کے قتل سے بری الذمہ قرار دے دیا گیا۔ اب پولیس کے سامنے صرف یہی سوال تھا کہ کرسمس کی شب مقتولہ کن لوگوں کے ہمراہ باہر گئی تھی؟ اس مقصد کے لیے پولیس نے ہلین وِل کے تمام ریستورانوں اور کیفوں کو یکے بعد دیگرے چیک کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس تفتیش کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کرسمس

کی تقریبات پر ہوٹل اور کیفے مرد عورتوں سے پُر ہوتے ہیں اور بیروں اور ویٹروں کو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ ہر گاہک کا حلیہ یاد کرتے رہیں ۔ آخر پولیس اس راہ پر مایوس ہو گئی ۔ لیکن چند دن بعد ہی امید کی ایک ہلکی سی کرن دکھائی دی ۔

ایک روز پولیس کے دو سپاہی وسکی کے دو دو گھونٹ چڑھانے کے لیے پیری ڈی کے ایک چھوٹے سے شراب خانے میں گئے ۔ ایک نوجوان ویٹرس جب شراب کے گلاس لے کر ان کی میز پر آئی تو ایک سپاہی نے یونہی گفتگو چھیڑنے کی خاطر اس سے پوچھا :

"کیا تم للین بریکٹ نام کی کسی لڑکی کو جانتی ہو ؟ "

"ہاں ۔ میں اسے جانتی ہوں" ویٹرس نے جواب دیا ۔

"کیا وہ کرسمس کی رات کو یہاں آئی تھی ؟"

"جی ہاں — "

"اکیلی — "

"جی نہیں — جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ، اس کے ساتھ دو نوجوان بھی تھے جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ۔ اُس روز یہاں بھیڑ بہت تھی ۔ اس کے ان نوجوانوں کو غور سے دیکھنے اور بات کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا ۔ وہ تینوں نو بجے رات کو یہاں سے چلے گئے تھے ۔"

"تمہاری رائے میں ہوٹل سے نکل کر وہ کہاں گئے ہوں گے ۔" سپاہی نے پوچھا ۔ شراب خانے کا مالک جو اِن کی گفتگو دل چسپی سے سن رہا تھا ، فوراً آگے آیا اور کہنے لگا ۔

"جناب میں ان نوجوانوں کو پہچانتا ہوں ۔ بات در اصل یہ تھی کہ اس روز دونوں نوجوان حد سے زیادہ پی گئے تھے اور آپنے آپے میں نہ تھے اور ایک دوسرے سے فحش مذاق کر رہے تھے ۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ باہر چلے جائیں اور یہاں ہنگامہ نہ کریں ایک ٹیکسی ڈرائیور شراب خانے کے باہر موجود تھا ۔ میں نے اس سے کہا کہ ان شرابیوں

کو لے جا کر کہیں چھوڑ آؤ۔"

"آپ اس ٹیکسی ڈرائیور کو کسی طریقے سے بلوا سکتے ہیں"۔ سپاہیوں نے پوچھا

"آپ ذرا ٹھہریے۔ میں دیکھتا ہوں۔ شاید وہ اب بھی باہر موجود ہو"۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکلا اور چند لمحوں بعد ایک پستہ قد ٹیکسی ڈرائیور اندر داخل ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سپاہیوں کے دریافت کرنے پر تسلیم کیا کہ

بے شک وہ کرسمس کی رات کو اس شراب خانے سے ایک لڑکی اور دو آدمیوں کو اپنی ٹیکسی میں لے گیا تھا۔ دونوں آدمی شراب کے نشے میں دھت تھے اور لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے اور وہ بار بار ان سے کہہ رہی تھی کہ "خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کرو۔ مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔"

"تم نے ان تینوں کو کس جگہ ٹیکسی سے اتارا تھا؟"

"میں انہیں برسٹل لے گیا اور جوزف سٹریٹ کے نکڑ پر اتار دیا تھا۔"

"کیا لڑکی اُس وقت تک زندہ تھی؟ تمہیں خوب یاد ہے کہ انہوں نے اسے کار میں سے بے ہوشی کی حالت میں نہیں اتارا تھا؟"

"جناب میں مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ لڑکی اُس وقت تک زندہ سلامت تھی۔ وہ خود ٹیکسی سے نکلی تھی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ ٹیکسی سے اترنے کے بعد وہ تینوں کدھر گئے تھے؟"

"میں نے دیکھا کہ وہ ایک گلی کی طرف مڑ گئے اور پھر گلی سے نکل کر میں نے انہیں جنگل کی طرف جاتے دیکھا۔ عورت ان کے ہمراہ تھی۔ پھر میں واپس چلا آیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

پولیس کے سپاہیوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے ساتھ لیا اور اسے تھانے لے گئے۔ وہاں بھی اعلیٰ افسروں کے سامنے اس نے وہی کہانی دہرائی جو وہ پہلے بیان کر چکا تھا اور اتنا مزید اضافہ کیا کہ اگرچہ وہ ان دونوں آدمیوں کو نہیں جانتا لیکن ان میں سے ایک شخص اپنے حلیے اور چال ڈھال سے کوئی پیشہ ور بدمعاش معلوم ہوتا

تھا۔ اس انکشاف پر ڈرائیور کو ایک اور کمرے میں لے جایا گیا اور اس کے سامنے بے شمار بدمعاشوں اور قاتلوں کی تصویروں کے البم ڈال دیے گئے اور اس سے کہا گیا کہ وہ ان تصویروں میں اس "بدمعاش" کو شناخت کرے۔ بیچارہ ڈرائیور رات گئے تک ان تصویروں کو دیکھتا رہا لیکن ان میں اسے اس بدمعاش کی تصویر نہ ملی جسے وہ اپنی ٹیکسی میں لے گیا تھا۔ یہاں سے مایوس ہو کر پولیس نے اسے برسٹل کے پولیس سٹیشن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ پولیس کا خیال تھا کہ اگر وہ واقعی کوئی بدمعاش ہے تو اس کی تصویر ضرور برسٹل کے تھانے میں ہو گی۔

برسٹل کے تھانے میں بدمعاشوں کی تصویروں پر مشتمل پہلی البم دیکھتے ہی ڈرائیور چلا اٹھا۔

"یہ ہے وہ بدمعاش جسے میں ایک نوجوان اور مقتولہ کے ساتھ اپنی ٹیکسی میں لے گیا تھا ——"

اس تصویر کی پشت پر اس شخص کا نام جوزف ولیم تھرن، عمر ۲۲ سال اور پتہ اسی مکان کا درج تھا۔ جہاں مسز نومی کوسٹیگن رہتی تھی اور جس نے سب سے پہلے مقتولہ کی لاش دیکھ کر پولیس کو فون پر اطلاع دی تھی۔ یہ انکشاف پولیس کے لیے کافی ہیجان خیز ثابت ہوا۔ اب پہلی مرتبہ پولیس کو احساس ہوا کہ مسز کوسٹیگن ان کے ساتھ فریب کرتی رہی ہے اور اس نے شروع سے آخر تک پولیس کو مغالطے میں رکھنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولا ہے، چنانچہ پولیس افسران تلملاتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اسی مکان پر پہنچے اور مسز کوسٹیگن سے صحیح صحیح بات بتانے کے لیے کہا۔ پہلے تو مسز کوسٹیگن نے صاف انکار کیا اور کہا کہ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں پہلے بتا چکی ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ پتہ نہیں، لیکن جب پولیس والوں نے اسے لال پیلی آنکھیں دکھائیں اور "تھرڈ ڈگری" استعمال کرنے کی دھمکی دی تو مسز کوسٹیگن کا چہرہ دُھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ گیا۔

اتنے میں پولیس چیف کانسٹیبل نے ایک "بم" اور پھینکا اور سپاہیوں کو حکم دیا۔

"فوراً پورے مکان کی تلاشی لی جائے۔"

مکان کی تلاشی شروع ہوئی۔ ایک سپاہی کو نچلی منزل کی کوٹھڑی میں سے ایک سوشیل سیکیورٹی کارڈ پڑا ملا جو للین پرچ بریکٹ کے نام پر جاری کیا گیا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک اور کمرے سے ایک سوٹ کیس دستیاب ہوا، اسے جب کھولا گیا تو اس میں سے ایک زنانہ لباس مٹی میں لت پت پایا گیا۔ اس لباس پر جابجا خون کے دھبے بھی موجود تھے۔

"آہ — یہ ہے وہ لباس جو بدنصیب لڑکی واردات کے وقت پہنے ہوئے تھی —" ایک سارجنٹ نے کہا۔ "اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے لاش کو اسی لباس میں "قبر" کے اندر دفن کیا گیا اور بعد ازاں اس کے کپڑے تبدیل کر کے اسے باہر پھینک دیا گیا — بالکل یہی بات ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ دوسرا لباس کس کا تھا؟ اس کا جواب تو مسز کوسٹیگن ہی دیں گی — کیوں محترمہ! — اب بھی آپ زبان کھولنے پر تیار ہیں یا ہم ہاتھ دکھائیں؟"

"میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔" عورت نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ میری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔"

"آپ منہ سے کچھ بولیے تو سہی —" چیف آفیسر نے ڈانٹ کر کہا۔

"جوزف تھیرین گزشتہ تین سال سے میرے مکان میں رہائش پذیر تھا۔" عورت نے کہنا شروع کیا — "کرسمس کی شب کو تقریباً نو بجے وہ جارج جیمز اور ایک اجنبی لڑکی کے ہمراہ مکان پر واپس آیا۔ دونوں لڑکے شراب کے نشے میں دُھت تھے۔ ان کی حرکات و سکنات اتنی وحشیانہ تھیں کہ میں نے انہیں گھر سے چلے جانے کے لیے کہا ان کی ہمراہی لڑکی رو رہی تھی اور واپس اپنے گھر جانے کے لیے ضد کر رہی تھی۔ لیکن لڑکے اسے زبردستی روکے ہوئے تھے۔ میرے زور دینے پر وہ پچھلے دروازے سے

لڑکی کو لے کر باہر چلے گئے۔ پھر میں اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

"— اور تم تو کہتی تھیں کہ اس رات تمہارے ہاں مہمان آئے تھے ؟"
چیف نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی نہیں۔ میں نے غلط کہا تھا۔ یہاں کوئی نہیں آتا — میں کہہ رہی تھی کہ میں اپنے بستر پر لیٹ گئی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔ خدا جانے میں کتنی دیر سوئی ہوں گی کہ جوزف تھیرین کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ "کیا میں بتی روشن کر دوں ؟ میں تم سے ایک بہت ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا یہ گفتگو تمہاری خواب گاہ میں ہوئی تھی ؟" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"جی ہاں — میرے پلنگ کے قریب ہی وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کا سارا نشہ اتر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا — "تمہیں معلوم ہے کہ جیمز اور میں ایک لڑکی کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں آئے تھے اور پھر ہم گیراج میں کھڑی ہوئی کار کے اندر لڑکی کو لے گئے اور ہم نے زبردستی اس سے اپنی خواہش پوری کی — اور اسی دوران وہ مر گئی —" میں نے پوچھا — تم نے لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟" اس نے جواب دیا "میں نے جنگل میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا ہے۔" میں نے کہا — "خدا کی پناہ — کیا پتہ وہ لڑکی مری نہ ہو صرف بے ہوش ہو۔ جاؤ اسے فوراً نکال لاؤ۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔ "میں اب اسے چھونا نہیں چاہتا۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔"

"میں بستر سے اٹھ کر نچلی منزل میں گئی تو میں نے جارج جیمز کو ایک کرسی پر سوتے ہوئے پایا۔ میں نے اسے جگایا اور لڑکی کی لاش لانے کے لیے کہا، لیکن وہ اصرار کرتا تھا کہ جوزف بھی اس کے ساتھ جائے! ورنہ وہ اکیلا نہیں جائے گا — ابھی یہ بحث ہو رہی تھی کہ جوزف تھیرین اپنے بازوؤں پہ مردہ لڑکی کو اٹھائے مکان میں داخل ہوا۔ لڑکی بالکل برہنہ تھی اور اس کا تمام بدن کیچڑ میں لت پت ہو رہا

تھا۔ ایک نظر دیکھتے ہی مجھے پتہ چل گیا کہ لڑکی مر چکی ہے۔ بعدازاں جوزف لاش کو لیے ہوئے مکان کے غسل خانے میں گیا اور اسے پانی کے ٹب میں ڈال دیا۔ پھر اس نے نل کھول دیا اور لڑکی کا جسم صاف کرنے لگا۔ لاش کو غسل دینے کے بعد اس نے جسم خشک کرنے کے لیے مجھ سے کوئی کپڑا مانگا۔ میں نے اسے ایک پرانا کمبل لاکر دیا۔ جوزف نے کمبل سے لاش کا جسم خشک کیا اور اسے باورچی خانے میں لے گیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اسے پہنانے کے لیے کچھ کپڑے دو۔

"اور تم نے اسے اپنا ایک پرانا لباس لاکر دیا؟" پولیس افسر نے فوراً کہا۔

"جی ہاں — میرا ایک پرانا لباس لاش کو پہنا کر جوزف نے اسے پھر کندھے پر اُٹھایا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل کر اسے پگ ڈنڈی کے آخری سرے پر ڈال دیا۔ دراصل میں نے ہی جوزف کو یہ ترکیب بتائی تھی اور اسے کہا تھا کہ میں پولیس کو لاش دیکھے جانے کی اطلاع دے دوں گی۔ چنانچہ آپ لوگ جب میرے اطلاع کرنے پر یہاں آئے تو اس وقت بھی جوزف اور جارج یہاں چھپے ہوئے تھے اور پھر دن کے دو بجے وہ چپکے سے فرار ہوگئے۔ جانے سے پیشتر جوزف نے مجھے مقتولہ کے کپڑوں کا ایک بنڈل دیا جو خاک و خون میں لت پت تھا۔ میں نے ان کپڑوں کو اس بکس میں بند کر دیا۔"

"تم نے انہیں بچانے کی کوشش کیوں کی؟" پولیس نے پوچھا۔

"جوزف دراصل میری لڑکی سے منسوب تھا اور میں چاہتی تھی کہ وہ میری لڑکی سے شادی کرے۔"

بعدازاں اس نے پولیس کو وہ کوٹھری دکھائی جہاں دونوں مجرم چھپے رہے تھے۔ اس جگہ سے دو بھری ہوئی رائفلیں بھی دستیاب ہوئیں جو انہوں نے پولیس پر استعمال کرنے کے لیے تیار کی تھیں لیکن انہیں چلانے کی ہمت نہ ہوئی — مسز کوسٹیگن کو پولیس نے حراست میں لے لیا اور جوزف اور جارج اشتہاری مجرم

قرار دیے گئے۔ امریکہ کے تمام اخبارات میں اس کیس کا کئی روز تک چرچا رہا۔ پولیس کی جان توڑ جدّو جہد کے بعد دونوں مجرم آخرکار پکڑے گئے اور انہوں نے مسز کوشبگن کے بیان کی حرف بہ حرف تصدیق کی اور بتایا کہ وہ مقتولہ کو بہلا پُھسلا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مقدمہ چلا اور دونوں کو سیکنڈ ڈگری قتل کا مجرم قرار دیا گیا اور انہیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔

ڈائن

۱۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا کے ایک خوبصورت شہر سانٹا باربرا میں ایک شادی شدہ خاتون مسز اولگا فرینک کو انتہائی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ قاتل دو ایسے نوجوان تھے جو اس خاتون کو صرف نام سے جانتے تھے اور مقتولہ سے اُن کی کوئی عداوت نہ تھی۔ دونوں قاتلوں کو مسز فرینک اولگا کی ساس، مسز الزبتھ ڈنکن نے کرائے پر حاصل کیا تھا اور مسز ڈنکن کو اپنی بہو سے صرف یہ شکایت تھی کہ اُن کے بیٹے فرینک نے اولگا سے شادی کیوں کر لی۔

سانٹا باربرا کی خوشحال آبادی میں اگرچہ مسز ڈنکن کی مالی حیثیت کچھ زیادہ مستحکم نہ تھی، تاہم اُن کی بارُعب شخصیت اور تحکمانہ انداز گفتگو سے ہر شخص متاثر ہو جاتا تھا۔ اُن چند افراد کے سِوا جو خاتون کو بہت قریب سے جانتے تھے۔ اکثر لوگ مسز ڈنکن کو محض ایک نوجوان وکیل کی شفیق ماں کی حیثیت سے جانتے اور اُس کا احترام کرتے تھے۔ اولگا کے قتل کے بعد مقدمے کی کارروائی میں مسز ڈنکن کی جس مکروہ اور گھناؤنی شخصیت پر سے نقاب اُٹھا، اُس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی تھا کہ یہ خاتون ہر شخص کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتی تھی کہ وہ یا تو بہت دولت مند ہے یا عنقریب دولت میں کھیلنے لگے گی۔

عدالتی تفتیش کے دوران مسز ڈنکن نے بتایا کہ وہ ۱۹۰۴ء میں ریاست مسوری کے شہر کنساس میں پیدا ہوئی تو اس کا نام ہیزل سنکلار رکھا گیا تھا، لیکن مقدمے کی کارروائی میں ابتدا سے لے کر انتہا تک مسز ڈنکن نے

کوئی بات ایسی نہیں کی جس پر عدالت کو "سچ" کا شبہ ہو سکتا۔

مسز ڈنکن نے اپنی عمر میں جس قدر قانونی اور غیر قانونی شادیاں کیں، اُن میں سے جن شادیوں کا دستاویزی ریکارڈ مل سکا اُن میں مسز ڈنکن کی عمر ہر بار مختلف لکھی گئی تھی۔ عدالت کی جانب سے مقرر کئے گئے ایک ماہر نفسیات نے مسز ڈنکن کی دروغ گوئی کو ایک نفسیاتی مرض قرار دیا۔ اس کے علاوہ مسز ڈنکن کا حافظہ بھی خاصا "کمزور" ثابت ہوا۔ عدالتی تحقیقات میں یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ خاتون اُس وقت تک تقریباً دو درجن افراد سے شادی کر چکی تھی یا شادی کا ڈھونگ رچا چکی تھی، لیکن اُسے خود وہ تمام شادیاں پوری طرح یاد نہیں تھیں۔ مسٹر ڈیوی ٹیسٹر سے پہلی شادی کے بارے میں جب عدالت نے پوچھا کہ آیا اُس وقت مسز ڈنکن کی عمر چودہ سال تھی تو جواب ملا "ہو سکتا ہے"۔ عدالت نے پوچھا کہ آیا وہ اس سے بھی پہلے ایک شخص مسٹر مچل سے بیاہی گئی تھی؟ مسز ڈنکن نے جواب دیا "مجھے یاد نہیں پڑتا"۔

۱۹۲۷ء میں مسز ڈنکن نے ایک اور شخص ایڈورڈ پیخ برگ سے شادی کی، جو اُسے یاد نہیں تھی۔ ۱۹۲۸ء میں مسز ڈنکن نے فرینک لو سے شادی کی۔ اس شادی کے بعد اُن کا لڑکا فرینک پیدا ہوا، لیکن مسز ڈنکن کو یہ یاد نہیں تھا کہ آیا اس شادی سے پہلے مسٹر ٹیسٹر نے اُسے طلاق دی تھی یا نہیں۔ مسٹر ٹیسٹر سے جو تین بچے پیدا ہوئے، وہ اوائل عمر ہی میں کسی یتیم خانے کے حوالے کر دیئے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مسٹر فرینک لو کی موت سے پہلے ہی مسز ڈنکن نے ایک اور شادی کر لی، لیکن "اقتصادی" طور پر پہلے شوہر سے بھی تعلقات بحال رکھے۔ مسز ڈنکن نے عدالت کو بتایا:

"میرے بچے فرینک کے دانتوں میں کچھ تکلیف تھی، چنانچہ میں ڈاکٹر

کے بِل ہمیشہ اُس کے باپ کو بھیجتی رہی۔ جب ایک بِل کی ادائیگی نہ ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ فرینک لو کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے اس کا واقعی افسوس ہوا۔"

مسز ڈنکن نے چونکہ فرینک لو کی زندگی ہی میں طلاق حاصل کیے بغیر دوسری شادی کر لی تھی، لہٰذا وہ شادی غیر قانونی تھی اور مسٹر ڈنکن نے کئی سال مسز ڈنکن کے ساتھ شادی شدہ زندگی بسر کرنے کے بعد بالآخر عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری لے لی، لیکن اس عرصے میں بھی مسز ڈنکن ایک مختصر مدت تک ایک اور شخص فرینک کریگ کی بیوی بھی بنی رہی۔ اُس شخص نے حقیقت کا علم ہونے کے بعد عدالت سے یہ نکاح منسوخ کرا لیا، لیکن مسز ڈنکن بڑے عرصے تک اُس شخص کا نام اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتی رہی، کیونکہ مسٹر کریگ کی کاروباری ساکھ اچھی ہونے کی وجہ سے قرض آسانی سے مل جاتا تھا۔

مسز ڈنکن کی اُن "کاروباری شادیوں" کی تمام تفصیلات ان مختصر صفحات میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ عدالت کے سامنے جو حقائق آئے، وہ حیرت انگیز بھی ہیں اور شرمناک بھی۔ مسز ڈنکن سے اس عجیب و غریب اندازِ زندگی کے بارے میں عدالت نے پوچھا کہ کیا اس طرح ایک شوہر کی موجودگی میں دوسری شادی کر لینے کو اُس نے معیوب اور خلافِ قانون نہیں سمجھا؟ مسز ڈنکن نے بے پروائی سے جواب دیا:

"مجھے نہیں معلوم، تاہم میں نے ایسا کیا۔"

مسز ڈنکن نے بارہا انجان مردوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک امیر کبیر بیوہ کے روپ میں پیش کیا اور اپنی بے پناہ دولت یا عنقریب ملنے والی دولت کی من گھڑت کہانیاں سنا کر مردوں کو اپنے دام میں پھانسا۔ حیرت کی بات ہے کہ مسز ڈنکن کی شرمناک زندگی پر نظر بھی رکھی گئی اور

بناوٹی شرافت کا دبیز پردہ اتنے عرصے تک کیونکر پڑا رہا۔ شاید کسی مشر
ملک میں اس قسم کے اعمال کے نتائج یکسر مختلف ہوتے۔ لیکن امریکہ میں جہ
پلیسہ ہی تمام تر انسانی تعلقات کی بنیاد بن گیا ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ وہ
جو نام نہاد دولت کے حصول کے لئے مسز ڈنکن کی فریب دہی کا شکار ہو
خود اپنی حماقت پر اتنے نادم تھے کہ انھوں نے بعد میں بھی عدالت
دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت نہ کی۔

مسز ڈنکن کے لیے شادی ایک عمدہ کاروبار تھا اور اُسے اس کاروبا
میں کبھی نقصان نہیں ہوا۔ مسز ڈنکن نے ایک بار ایک کیفے کھول لیا۔ اس
کیفے کے لیے شراب کا پرمٹ حاصل کرنے کے لیے ایک ایسے شخص
نام اپنے شوہر کے طور پر استعمال کیا جو کبھی اس کا شوہر نہیں رہا تھا۔ ایک
اور موقع پر مسز ڈنکن نے اپنے آپ کو سجریہ کے ایک ڈاکٹر کی بیوی الز
کریگ کے رُوپ میں پیش کرکے ایک کار خریدی اور دو سو ڈالر کے بوگس
چیک سے ادائی کی۔

مسز ڈنکن لوگوں کو دکھانے یا اپنی انا کی تسکین کے لیے جائید
کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی کرتی تھی۔ ایک بار اُس نے ایک کمپنی کو جا
خریدنے کے لیے پچاس ہزار ڈالر کا چیک بھی دے دیا، لیکن سودا بن
سکا، کیونکہ بنک میں اُس وقت مسز ڈنکن کی کل دولت، اٹھائیس ڈالر تھی۔
۱۹۵۱ء میں مسز ڈنکن نے ایک شخص مسٹر گولڈ سے طلاق حاصل کرلی
وہ طلاق کے باوجود بھی شادی شدہ تھی، کیونکہ مسٹر ڈنکن سے اُس کی غیر قا
شادی ابھی تک منسوخ نہ ہوئی تھی۔ اب مسز ڈنکن نے ایک اور شخص
سیڑ بایو کو اپنی "دولت" کا جھانسا دیا۔ اس شخص نے مسز ڈنکن کی دولت
سے جائداد خریدنے اور مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا کرنے کے لیے اپ
نوکری سے بھی استعفا دے دیا، لیکن کچھ عرصے بعد جارج سیڑ بایو کو
چلا کہ مسز ڈنکن ایک شخص کو پانچ سو ڈالر کے معاوضے پر اس لیے

کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ وہ جارج سیڑ یانو کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی خدمت بجا لائے۔ اس سے پہلے کہ سیڑ یانو اپنی "بیوی" سے نجات حاصل کرنے کے لیے عدالتی کارروائی کرتا، خود مسز ڈنکن نے اس کے خلاف طلاق کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا! چنانچہ جارج سیڑ یانو کو عدالتی فیصلے کے مطابق مسز ڈنکن کے حق میں اپنی کیڈلک کار سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔

جارج سیڑ یانو سے طلاق کے مقدمے کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی مسز ڈنکن نے بنجمن کاگ بل سے شادی کر لی اور اس جوڑے کو کچھ عرصے بعد کسی غیر قانونی کاروبار کی پاداش میں جیل بھی جانا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسز ڈنکن کا لڑکا فرینک مسان فرانسسکو میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں عدالت نے مسز ڈنکن اور کاگ بل کی شادی کو فسخ قرار دے دیا اور مسز ڈنکن نے فوراً ہی اپنے بیٹے کے ایک کلاس فیلو اسٹیفن گلس کو اپنے دامِ فریب میں پھانس لیا۔

اُس وقت اسٹیفن گلس کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ اُس نے عدالت کو بتایا کہ مسز ڈنکن نے پچاس ہزار ڈالر کا لالچ دے کر اُس سے شادی کی تھی، لیکن شادی کے بعد مسز ڈنکن نے اُسے دس ہزار ڈالر کا ایک چیک دیا جو جعلی تھا۔

اسٹیفن گلس شادی کے باوجود کبھی مسز ڈنکن کے ساتھ نہیں رہا اور مسز ڈنکن نے جس جس طریقے سے اُسے ہراساں کر کے "گذارہ الاؤنس" حاصل کیا وہ خاصی شرمناک داستان ہے۔ اسٹیفن گلس نے عدالت کو بتایا "مسز ڈنکن کی شخصیت میں یہ خاص بات ہے کہ ہر شخص اُس کی بات پر یقین کر لیتا ہے اور اگرچہ ہر بات جھوٹ ہوتی ہے تاہم اُس پر کبھی جھوٹ کا شائبہ نہیں ہوتا۔"

اسٹیفن گلس نے بمشکل مسز ڈنکن کے چنگل سے نجات حاصل کی تو ایک
بس ڈرائیور اس قسم کی دھوکا دہی کا شکار بن گیا۔ بس ڈرائیور سے گزارہ
الاؤنس اینٹھنے کے بعد مسز ڈنکن نے ایک اٹھائیس سالہ نوجوان لیونارڈ سولین
کو یہ پٹی پڑھائی کہ "اگر میں دوبارہ شادی کر لوں تو مجھے ایک فنڈ سے ایک لا
چھیانوے ہزار ڈالر مل جائیں گے"۔ ظاہر ہے ایسے کسی فنڈ کا کوئی وجود نہ
تھا، چنانچہ مسز ڈنکن کو ایک بار پھر تنسیخ نکاح کے لئے عدالت میں حاضر
ہونا پڑا۔ فرینک نے ماں کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی اور مسز ڈنکن
نے احتجاج کے طور پر خواب آور گولیوں کی بڑی مقدار کھالی! چنانچہ مسز ڈنکن
کو فوری طور پر کاٹیج ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اس ہسپتال میں ایک نرس
اولگا سے فرینک کی پہلی ملاقات ہوئی۔ اولگا کی عمر اُس وقت ۲۹ سال تھی
اُسے برٹش کولمبیا سے آئے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا جہاں اُس کا باپ
ریلوے میں فورمین تھا۔ مسز شارٹ نے بتایا کہ فرینک، سیاہ بالوں والی اس
صحت مند اور حسین لڑکی میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ یہ بات مسز ڈنکن کو سخت
ناگوار گزری۔

مسز ڈنکن صحت یاب ہو کر ہسپتال سے واپس آگئیں تو اولگا نے فرینک
سے ملنے کے لیے ان کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک بار جب فرینک
بیمار تھا تو اولگا اُس کے لیے پھول بھی لے کر آئی، لیکن مسز ڈنکن نے وہ
پھول اُٹھا کر باہر پھینک دیے۔ اُدھر فرینک روز بروز اولگا سے قریب
ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا، لیکن اپنی ماں سے خوفزدہ
تھا۔ آخر اسی سال جون کے مہینے میں اُس نے اپنی ماں سے اولگا کے
ا یں بات کرنے کی ہمت کر لی۔ مسز ڈنکن نے اُس وقت تو اپنے
بیٹے سے یہ وعدہ لے کر بات ختم کر دی کہ وہ ماں کی اجازت کے بغیر شادی
نہیں کرے گا، لیکن اس کے بعد فوراً ہی اولگا کو ٹیلی فون پر ڈانٹ بتائی:

"تم فرینک کے قابل نہیں ہو اور اس سے پہلے کہ تم اُس سے شادی کر سکو، میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی"۔

تاہم چند روز بعد فرینک نے ماں کو بتائے بغیر اولگا سے شادی کر لی۔ اس شادی کو ماں سے خفیہ رکھنے کے لیے اُس نے ہر ممکن کوشش کی۔ اُس نے اولگا کی رہائش کا علیحدہ بندوبست کیا اور رات گھر پر ماں کے پاس ہی گزارتا تاکہ مسز ڈنکن کو شبہ نہ ہو جائے، لیکن مسز ڈنکن اگلے ہی دن صورتحال سے باخبر ہو گئیں۔ ہُوا یوں کہ انہوں نے حسبِ عادت اولگا کو ڈرانے دھمکانے کے لیے کاٹیج ہسپتال ٹیلی فون کیا اور وہاں سے جواب ملا کہ اولگا کی شادی ہو چکی ہے اور اُس نے ملازمت چھوڑ دی ہے۔ یہ خبر ملتے ہی مسز ڈنکن نے اس شادی کو ناکام بنانے اور اولگا فرینک سے انتقام لینے کے لیے وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے جس قسم کے ہتھکنڈے حکومتوں کے تختے اُلٹنے کے لیے سی آئی اے سے منسوب کیے جاتے ہیں۔

فرینک اور اولگا کی شادی کے چوتھے دن ایک مقامی اخبار میں فرینک ڈنکن کی جانب سے اس مضمون کا ایک اشتہار شائع ہوا: "۲۵ جون ۱۹۵۸ء کے بعد میں کسی ایسے قرض یا کسی ایسی چیز کے لیے ادائی کا ذمے دار نہ ہوں گا جو میری ماں الزبتھ ڈنکن کے سوا کسی اور نے خریدی ہو"۔ جب اولگا فرینک نے اپنے شوہر کو یہ اشتہار دکھایا تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ ماں کی شرارت ہے، چنانچہ اگلے ہی دن مسز ڈنکن نے ایک اور گل کھلایا۔ وہ اولگا کے مکان کے قریب ایک اسٹور پر پہنچیں اور اسٹور کے مالک کو نصیحت کی کہ وہ اولگا فرینک کو اُدھار نہ دے "کیونکہ یہ عورت ایک اور اسٹور سے ہزاروں ڈالر کا سامان اُدھار لا چکی ہے جس کی ابھی تک ادائی نہیں ہوئی"۔

مسز شارٹ نے عدالت میں گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ اُن دنوں اولگا کو بدنام کرنے کے ساتھ ساتھ مسز ڈنکن روز بلاناغہ اولگا فرینک کو کئی کئی بار

ٹیلی فون پر دھمکیاں دیا کرتیں: "اگر تم نے میرے بیٹے سے علیحدگی اختیار نہ کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" نہ صرف یہ بلکہ مسز ڈنکن کو جب موقع ملتا وہ اولگا کے مکان پر پہنچ جاتیں اور اُسے "خطرناک نتائج" کی دھمکیاں دے آتیں۔ جب الفاظ سے کام نہ نکلا تو مسز ڈنکن زیادہ خطرناک اور عملی منصوبوں پر اُتر آئیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو اغوا کرنے کی کوشش کی۔ منصوبہ یہ تھا کہ مسز شارٹ اور ایک اور بڑھیا سہیلی مسز فرنیکلن کی مدد سے پہلے فرینک کو خواب آور گولیاں کھلا کر بے ہوش کیا جائے اور اس کے بعد اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے کار کے ذریعے لاس اینجلز پہنچا دیا جائے۔ مسز ڈنکن نے لاس اینجلز میں قیام کے لیے اپنی بہن کے مکان کا بندوبست کر لیا تھا تاکہ وہ وہاں کچھ دن رہ کر اپنے "قیدی" بیٹے کو اولگا سے علیحدگی پر مجبور کر سکیں۔ اس منصوبے کی ناکامی کے بارے میں مسز شارٹ اور مسز فرنیکلن نے عدالت کو بتایا کہ وہ دونوں رات بھر ایک رسی لیے مسز ڈنکن کے مکان میں چھپی رہیں، لیکن فرینک کو کسی طور بھی خواب آور گولیاں نہ کھلائی جا سکیں اور اس طرح منصوبہ ناکام ہو گیا۔

فرینک کی شادی کے خلاف مسز ڈنکن کی مہم جوں جوں شدت پکڑتی جا رہی تھی، اولگا کی صحت بھی گرتی جا رہی تھی۔ اُس بے چاری کا بیشتر وقت، آنسو بہاتے گزرتا تھا۔ مسلسل خوف اور اعصابی کھنچاؤ کے باعث ایک ماہ کے اندر اندر وہ بیمار ہو گئی اور اُس کے ہاتھوں کی نسوں میں درد رہنے لگا۔ ساس کے قہر سے بچنے کے لیے اولگا نے بار بار مکان تبدیل کیے۔ آخر اُس نے محکمہ ٹیلی فون سے اپنے لیے ایسا ٹیلی فون نمبر بھی حاصل کر لیا جو اُس وقت تک ڈائریکٹری میں درج نہیں کیا گیا تھا۔ اُدھر مسز ڈنکن کو جب اولگا کے نئے گھر کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر نہ مل سکا تو انہوں نے ایک اور مکروہ حربہ استعمال کیا۔ مسز ڈنکن نے مُکتی فوج (SALVATION ARMY) سے

رابطہ قائم کرکے ایک۔ ایسے رضاکار کی خدمات طلب کیں جو کھڑکیاں صاف کرسکے۔ مقامی مکتی فوج نے ایک سابق سزا یافتہ مجرم رالف ونٹر سیٹن کو مسز ڈنکن کے پاس بھیج دیا۔ مسز ڈنکن نے اس شخص کو اپنی "مصیبت بھری" داستان سُنا کر اپنا ہمدرد بنا لیا۔ انہوں نے ونٹر سیٹن کو بتایا: "میرے بیٹے فرنیک نے ایک چھوری قسم کی غیر ملکی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ یہ لڑکی روپیہ حاصل کرنے کے لیے مجھے مسلسل بلیک میل کر رہی ہے۔ میرا بیٹا اس لڑکی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن اپنے پیشے کے وقار کے پیشِ نظر تنسیخ نکاح کا مقدمہ دائر کرنے سے ڈرتا ہے۔"

مسز ڈنکن نے آخر ونٹر سیٹن کو کچھ رقم کے عوض اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ عدالت میں اولگا فرنیک سے طلاق کے مقدّمے میں فرنیک ڈنکن کے نام سے پیش ہو جائے۔ اس کے بعد مسز ڈنکن نے ایک وکیل کا بدولبست کرکے تنسیخ نکاح کے کاغذات بھی تیار کر لیے اور خود کو اولگا فرنیک اور مسز شارٹ کو اولگا کی خالہ بنا کر عدالت میں پہنچ گئیں۔ یہ دونوں خواتین تو تماشائیوں میں بیٹھی تھیں جبکہ ونٹر سیٹن کو عدالت کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا۔ چونکہ عدالت میں فرنیک کو ذاتی طور پر جاننے والے بھی موجود تھے، اس لیے فوراً ہی اس جعلی مقدمے کا بھانڈا پھوٹ گیا اور ونٹر سیٹن کو دروغ حلفی کی پاداش میں چند دن کے لیے جیل جانا پڑا۔

یہ واقعہ ۵ اگست کو پیش آیا۔ اس کے ایک ہفتے بعد مسز ڈنکن کو اولگا کے نئے مکان کا سُراغ مل گیا۔ ہوا یوں کہ فرنیک نے کسی بیمہ کمپنی کو درخواست بھیجی تھی جس کا جواب مسز ڈنکن کے پتے پر موصول ہوا۔ انہوں نے فوراً لفافہ کھول لیا اور اس ذریعے سے انہیں اولگا فرنیک کا نیا پتہ بھی معلوم ہو گیا، چنانچہ مسز ڈنکن کی جانب سے اولگا کو بدنام کرنے اور

اپنے بیٹے کو ہراساں کرنے کی مہم اُسی طرح پھر پوری شدت سے جاری ہوگئی۔ انہوں نے فرینک کے بیمہ ایجنٹ سے یہ جھوٹ بولا کہ اولگا پہلے سے شادی شدہ ہے اور اُس کے دو بچے برٹش کولمبیا میں موجود ہیں۔ پھر انہوں نے ایک ملاح کو معاوضے پر اس مقصد کے لیے حاصل کیا کہ وہ فرینک کی کار کو اُس کے دفتر یا گھر کے سامنے سے ہٹا دیا کرے۔ اُدھر اولگا نے بھی فوری طور پر مکان تبدیل کر کے گارڈن اسٹریٹ میں سکونت اختیار کر لی۔ مسز ڈنکن کے عتاب سے بچنے کے لیے یہ اُس بے چاری کی آخری کوشش تھی۔

دو ہفتے کچھ سکون سے گزرے۔ آخر ایک دن مسز ڈنکن اپنے بیٹے کا پیچھا کرتی ہوئی گارڈن اسٹریٹ میں اولگا کے نئے مکان پر بھی پہنچ گئیں اور مالکہ مکان کو بلا کر ایک زبردست ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ مسز ڈنکن نے اس موقع پر اپنی بہو کے خلاف الزام تراشیوں کا ایک طومار باندھ دیا اور چلتے چلتے مالکہ مکان سے کہہ آئیں کہ اگر اولگا نے میرے بیٹے سے علیحدگی اختیار نہ کی تو میں اسے قتل کر دوں گی۔

مسز ڈنکن اب اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے بنا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی معتمد سہیلی مسز شارٹ سے اس سلسلے میں مسلسل صلاح مشورے شروع کر دیے۔ اس دوران میں اولگا پر تیزاب پھینکنے کی تجویز کئی بار زیر بحث آئی۔ مسز شارٹ نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے ایک منصوبے کا اس طرح ذکر کیا :

مسز شارٹ : انہوں نے (مسز ڈنکن نے) مجھ سے کہا تھا کہ میں اولگا کے گھر جا کر اُسے اپنے ہاں بلا لاؤں۔ جب وہ میرے گھر آجائے تو اُسے برتنوں کی الماری کے سامنے کرسی پر بٹھا دوں تاکہ مسز ڈنکن اُس کے گلے میں رسّی ڈال کر اُس کا گلا گھونٹ سکیں۔

اس کے بعد وکیل استغاثہ مسٹر گستافسن نے مسز شارٹ پر اس طرح جرح کی۔

سوال: تمہارا مطلب ہے کہ منصوبے کے مطابق مسز ڈنکن پہلے سے برتنوں کی الماری میں چھپی ہوتیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اور جب اولگا کرسی پر بیٹھ جاتی تو مسز ڈنکن عقب میں الماری سے نکل آتیں اور اولگا کا گلا گھونٹ دیتیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: گلا گھونٹنے کے بعد کیا کرنا تھا؟

جواب: اولگا کے بال مونڈ دیے جاتے۔

سوال: پھر؟

جواب: پھر اولگا کی لاش کو رات تک کے لیے الماری میں چھپا دیا جاتا اور رات کو مسز ڈنکن لاش کو ایک کمبل میں لپیٹ کر رسّی سے باندھ دیتیں۔ اُس رسّی کے ساتھ ایک بھاری پتھر باندھ دیا جاتا اور صبح سویرے ہم دونوں اس لاش کو کار میں ڈال کر ساحل پر لے جاتیں اور سمندر میں پھینک آتیں۔

سوال: پھر تم نے مسز ڈنکن کو اس منصوبے کے بارے میں کیا جواب دیا؟

جواب: مجھے یہ بہت خوفناک بات معلوم ہوئی؛ چنانچہ میں نے کہا، یہ ممکن نہیں کہ میرے برتنوں کی الماری میں رات بھر ایک لاش رکھی رہے۔

مسز شارٹ کے اس جواب سے ثابت ہوا کہ اس خاتون کو درحقیقت نہ تو ایک انسان کے قتل پر کوئی بنیادی اعتراض تھا اور نہ اولگا سے کوئی

ہمدردی تھی۔ مسز شارٹ کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اولگا بے گناہ تھی۔ وہ اس منصوبے میں صرف ایک بات برداشت نہیں کر سکیں کہ اولگا کی لاش اُن کی صاف سُتھری الماری میں رات بھر پڑی رہے! چنانچہ مسز شارٹ کی "نفاست پسندی" کی وجہ سے اولگا کی جان وقتی طور پر بچ گئی، لیکن اب مسز ڈنکن نے اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کسی قاتل کی باقاعدہ تلاش شروع کر دی۔

اگر آپ کو ضرورت پڑ جائے تو آپ ایسے شخص کو کیسے اور کہاں تلاش کریں گے جو معاوضہ لے کر کسی کو قتل کر سکے؟ بظاہر یہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے۔ آپ کھلے بندوں قتل کے موضوع پر بات نہیں کر سکتے، کوئی قاتل اخبار میں اشتہار بھی نہیں دیتا کہ اُسے "کام" کی ضرورت ہے اور نہ آپ یہ اشتہار شائع کریں گے کہ کرائے پر قاتل کی ضرورت ہے، تاہم مسز ڈنکن کو اپنے معاشرے میں یہ مہم انجام دینے کے سلسلے میں کچھ زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ انہوں نے دکان، ہوٹل، ریسٹورنٹ اور اپنے گھر میں ہر سہیلی اور شناسا سے اس منصوبے پر بات کی۔ انہوں نے ہر ملنے والے کے سامنے اپنی اہم اور فوری ضرورت کا اسی طرح اظہار کیا جس طرح آپ مناسب مکان یا گھریلو ملازم کی تلاش میں دوستوں اور ملنے والوں کی مدد کے خواہاں ہوتے ہیں۔ سانٹا باربرا میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہ تھی جنہوں نے مسز ڈنکن کے اس منصوبے میں دلچسپی لی۔ اگرچہ بیشتر خواتین و حضرات وہ تھے جو اپنی "مجبوریوں" کی وجہ سے اولگا کے قتل میں مسز ڈنکن کی عملی مدد نہ کر سکے۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے ایک بے گناہ کے قتل کے منصوبے میں "اخلاقی مدد" کی اور مسز ڈنکن کی رہنمائی کی اور بہت کم افراد ایسے نکلے جنہوں نے مسز ڈنکن کی مدد سے صاف انکار کر دیا، لیکن ان تمام لوگوں میں سے کسی نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ پولیس کو اس ہونے والے قتل سے آگاہ

کر دیتا۔ سانٹا باربرا کے ان لوگوں میں اکثریت اُن افراد کی تھی جنہیں مریکہ کی معاشرتی اقدار کے مطابق اشراف کا مرتبہ حاصل ہے۔ ان تمام افراد میں سے آٹھ افراد نے عدالت میں پیش ہو کر مسز ڈنکن کی جانب سے "سوٹے بازی" کی گواہی بھی دی۔

سانٹا باربرا کے ایک جدید ڈرائیو ان ریسٹورنٹ میں کام کرنے والی مسز ریڈ نے عدالت کو بتایا کہ وہ کسی زمانے میں مسز ڈنکن کی مرحوم بیٹی کی کلاس فیلو رہ چکی ہے۔ ایک دن مسز ڈنکن نے اُسے ٹیلی فون کیا کہ ایک انتہائی ضروری کام ہے، لہٰذا وہ گھر پر آکر ملاقات کرے۔

مسز ریڈ جب مسز ڈنکن کے گھر پہنچیں تو وہاں اُن کی معتمد سہیلیاں مسز شارٹ اور مسز فرینکلن پہلے سے موجود تھیں۔ مسز ڈنکن فوراً مسز ریڈ کو علیحدہ کمرے میں لے گئیں اور دروازے بند کر کے اولگا کے بارے میں اپنی "دکھ بھری" داستان یوں سنائی۔

"یہ عورت مجھے مسلسل ٹیلی فون پر پریشان کرتی رہتی ہے۔" مسز ریڈ نے عدالت کو بتایا "مسز ڈنکن نے مجھ سے کہا کہ اولگا کسی طور بھی فرینک سے علیحدہ ہونے پر تیار نہیں اور مجھے مسلسل دھمکیاں دے رہی ہے۔" مسز ریڈ نے پوچھا کہ آخر مسز ڈنکن اس سلسلے میں کس قسم کی مدد چاہتی ہے۔" چنانچہ مسز ڈنکن نے مجھے پورا منصوبہ یوں سمجھایا کہ "میں اولگا کے مکان پر تیزاب کی ایک بوتل لے کر جاؤں۔ جوں ہی اولگا دروازہ کھولے، اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دوں۔ مسز ڈنکن کلوروفارم میں بھیگا ہوا ایک کمبل لیے وہیں میرے پیچھے چھپی کھڑی ہوں گی۔ وہ اسی لمحے آگے بڑھ کر اولگا کو کمبل میں لپیٹ لیں گی۔ پھر ہم دونوں اسے بنڈل بنا کر فرینک کی کار میں پہاڑ پر لے جائیں گی اور کمبل میں لپٹی ہوئی بے ہوش اولگا کو کسی کھائی میں پھینک آئیں گی۔ مسز ڈنکن نے مجھ سے کہا کہ اس منصوبے کے لیے صرف ہاں کر دینے

پردہ مجھے اُسی وقت پانچ سو ڈالر ادا کریں گی اور اولگا کو ٹھکانے لگانے کے بعد پانچ سو ڈالر مزید ادا کریں گی۔ پھر پانچ سو ڈالر اُس وقت ادا کریں گی جب وہ فرینک اور مسز ڈنکن کو اپنی کار میں سان فرانسسکو پہنچا دیگی۔"

"پھر تم نے مسز ڈنکن کو کیا جواب دیا؟" وکیل استغاثہ نے مسز ریڈ سے سوال کیا۔

"میں نے کہا کہ مَیں اس بارے میں سوچوں گی۔"

مسز ریڈ، مسز ڈنکن سے رخصت ہو کر اپنے ریسٹورنٹ پہنچیں اور کافی کی دو پیالیاں پینے کے بعد اس پیش کش پر خوب غور کیا۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ فرینک کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے۔ مسز ریڈ نے عدالت کو بتایا:

"مَیں نے فرینک کو ٹیلی فون کیا، لیکن مجھے اصل بات بتانے کی پھر بھی ہمت نہ پڑی اور مَیں نے صرف یہ کہا کہ مسز ڈنکن، اولگا کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ کسی ناخوشگوار حادثے سے پہلے ہی وہ اولگا کو لے کر کہیں باہر چلا جائے۔ فرینک نے مجھے جواب دیا کہ وہ اولگا کا خیال رکھے گا۔"

فرینک، فوراً بھناتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا اور مسز ریڈ کے ساتھ اپنی گفتگو کا ذکر کیا۔ مسز ڈنکن صاف مُکر گئیں اور کہنے لگیں کہ مسز ریڈ نے بالکل جھوٹ بولا۔ منصوبہ تو دراصل خود فرینک کو اغوا کرنے کا بنایا گیا تھا تاکہ اُسے اولگا سے الگ کر کے سمجھایا بُجھایا جا سکے۔

فرینک اپنی ماں سے بے حد برگشتہ ہو چکا تھا، لیکن اُسے کوئی ایسی بات معلوم ہی نہ ہوئی تھی کہ وہ ماں کے خلاف کوئی قانونی قدم اُٹھاتا۔ اُدھر مسز ڈنکن کا بیشتر وقت کرائے کے قاتل کی تلاش میں گزر رہا تھا اور انہوں نے اس اہم مصروفیت کے سبب اولگا کو ٹیلی فون پر مسلسل دھمکیاں

دینا موقوف کر دیا تھا۔ ایک بار انھوں نے مسز شارٹ سے کہا کہ وہ اولگا کو ٹھکانے لگانے کے لیے رالف ونٹر سٹین سے بات کریں۔ مسز شارٹ نے فوراً مسز ڈنکن کے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن ونٹر سٹین، اولگا کے خون سے ہاتھ رنگنے پر آمادہ نہ ہوا۔ عدالت کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ماہر نفسیات کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسز شارٹ نے بتایا کہ وہ مسز ڈنکن کی ہر بات اس لیے مان لیا کرتی تھیں کہ مسز ڈنکن نے انھیں ماتی زندگی کی لذت فراہم کی تھی۔ ماہرِ نفسیات نے بتایا کہ یہ وہی لذت یا نشہ ہے جو مطلق العنان آمر اپنے ساتھیوں اور ملک کے لوگوں کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اُدھر ونٹر سٹین سے جب عدالت نے دریافت کیا کہ اُس نے پولیس کو اس متوقع قتل کی اطلاع کیوں نہ دی تو کھڑکیاں صاف کرنے والے مکتی فوج کے اس رضا کار نے بتایا کہ چونکہ وہ فرینک کے نام سے اولگا کے خلاف تنسیخ نکاح کے جعلی مقدمے میں ماخوذ ہو چکا تھا، اس لیے پولیس کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتا تھا۔

اگست کے مہینے میں مسز ڈنکن نے اُس ملاح کی مدد حاصل کرنے کی بھی کوشش کی جس سے وہ پہلے فرینک کی کار اِدھر اُدھر چھپانے کی خدمت لیتی رہی تھیں۔ مسز ڈنکن نے اُس سے دریافت کیا تھا کہ وہ اولگا کی لاش کو کار میں ڈال کر شہر سے باہر لے جانے اور "غائب" کرنے کا کیا معاوضہ لے گا۔ اس ملاح نے عدالت کو بتایا کہ وہ اس سودے بازی کو محض مذاق سمجھ کر ٹال گیا۔

ستمبر کے مہینے میں مسز ڈنکن نے شہر کی ایک اور عورت مسز ڈیا نے رُمرو کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ڈیا نے رُمرو کا

شوہر روڈ ولف رمرو ایک بار نشہ آور اشیا کے ناجائز کاروبار کے الزام میں گرفتار ہو گیا تھا۔ فرینک اُس کا وکیل تھا اور وہ اپنے موکل کو بری کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مسز ڈنکن نے شروع میں ڈیانے کو تحفے تحائف دے کر بڑی ہوشیاری سے اپنا گرویدہ اور احسان مند بنایا۔ چند دن بعد انہوں نے پھر ڈیانے کو اپنے گھر بلایا۔ اُسے مزید تحفے دیے اور اس کے لیے لباس وغیرہ خرید دینے کی پیش کش بھی کی۔ اس کے بعد مسز ڈنکن نے مسز ڈیانے رمرو کو سوڈا کاسٹک کا محلول خریدنے کے لیے پانچ ڈالر دیے اور پورا منصوبہ سمجھایا۔

مسز ڈیانے رمرو نے عدالت کو بتایا:

"مسز ڈنکن نے مجھے ساتھ لے جا کر اولگا کا گھر دکھایا اور سفید دستانے دیے تاکہ کسی چیز پر میری انگلیوں کے نشان نہ باقی رہ جائیں۔ پھر انھوں نے مجھے سمجھایا کہ میں اولگا کے مکان پر کاسٹک کی بوتل لے کر پہنچوں۔ جب وہ مجھے گھر میں بلائے تو پہلے اُسے مار مار کر بے ہوش کر دوں پھر اُسے گھسیٹ کر نہانے کے ٹب میں پھینک دوں اور اُوپر سے سوڈا کاسٹک چھڑک دوں۔"

ڈیانے رمرو بتائے ہوئے پتے پر گارڈن اسٹریٹ پہنچ گئی۔ اولگا نے دروازہ کھولا۔ "مہمان" اور میزبان کی نظریں چار ہوئیں اور دونوں کا ردِعمل ایک ہی تھا۔ حیرت اور خوشی۔ ڈیانے رمرو نے کاسٹک کی بوتل اپنے تھیلے ہی میں پڑی رہنے دی۔ وہ کافی دیر اولگا کے ساتھ بیٹھی پرانی باتیں یاد کرتی رہی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ڈیانے رمرو جس عورت کو قتل کرنے آئی تھی، وہ کسی زمانے میں برٹش کولمبیا کے ایک ہسپتال میں اُس کی دیکھ بھال کرتی رہی تھی۔ اولگا کو ایک پرانی ہم وطن اور شناسا خاتون سے مل کر خوشی ہوئی اور ڈیانے رمرو کو اس ملاقات میں یہ بتانے کی ہمت نہ ہوئی کہ اُسے کس مقصد کے لیے وہاں بھیجا گیا تھا۔

ڈیانے رمرو نے جب یہ واقعہ مسز ڈنکن کو سنایا تو وہ منصوبے کی ناکامی پر مایوس ہونے کے بجائے خوش ہو گئیں۔ مسز رمرو نے عدالت کو بتایا:

"مسز ڈنکن نے کہا اگر یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم اولگا کو پہلے سے جانتی ہو۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ تم جس وقت چاہو آسانی سے اُس کے گھر جا سکتی ہو۔"

اولگا سے ملاقات کے بعد مسز ڈیانے رمرد کو اس سودے بازی میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی چنانچہ مسز ڈنکن نے ڈیانے کے شوہر روڈولف سے خود ملاقات کی اور اُسے ایک ہزار ڈالر کے معاوضے کا لالچ دے کر اولگا کو قتل کرنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس پیش کش پر مسز رمرد کا جو ردِ عمل تھا وہ اُس نے عدالت میں یوں بیان کیا: "میں اس منصوبہ بندی سے خوف زدہ تھی اور روڈولف کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔"

روڈولف نے مسز ڈنکن کو کوئی جواب نہ دیا اور مسز ڈنکن ہر ملاقات میں قتل کے معاوضے میں اضافے کا وعدہ کرتی چلی گئیں۔ روڈولف جب کسی طور بھی راضی نہ ہوا تو مسز ڈنکن نے اُسے دھمکی دی کہ اگر اُس نے یہ کام نہ کیا تو وہ اُسے دوبارہ جیل بھجوا دیں گی۔ اس دھمکی کے بعد روڈولف نے اس موضوع پر بات تک کرنے سے انکار کر دیا۔ مسز ڈنکن نے معاوضے کی رقم ڈیڑھ ہزار سے ڈھائی ہزار ڈالر تک بڑھا دی، لیکن روڈولف نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ کیا۔

اُدھر مسز ڈنکن کے پائے استقلال میں بھی کوئی جنبش نہ آئی اور انہوں نے مسز رمرو کو ایک ہوٹل میں کھانے پر مدعو کیا اور وہاں پھر اُسے قائل کرنا چاہا کہ وہ اپنے شوہر کو اس کام کے لیے راضی کرے۔ ڈیانے رمرد نے عدالت کو بتایا: "میں نے مسز ڈنکن سے کہا کہ اگر وہ یہ کام کروانا چاہتی ہیں تو پہلے نصف رقم مجھے ادا کر دیں۔" لیکن مسز ڈنکن اتنی بڑی رقم اُس وقت ادا نہیں کرنا چاہتی تھیں یا اُن کے پاس اتنی رقم ہی نہ تھی۔

جب یہ سودا طے نہ پا سکا تو مسز ڈنکن نے اپنی معتمد خاص مسز شارٹ کے ہمراہ اُس مالکہ مکان سے رابطہ قائم کیا جس کے مکان میں کبھی ڈیانے رہ رہا کرتی تھی۔ مسز ڈنکن نے مسز ربیکا ڈیانز کو بتایا کہ ایک چڑیل قسم کی نرس نے فرینک سے شادی کر لی ہے اور یہ نرس اُنھیں (مسز ڈنکن کو) قتل کر دینے کی دھمکی دے کر ایک بڑی رقم کا مطالبہ کر رہی ہے۔

مسز ربیکا ڈیانز نے عدالت میں حلفی بیان دیتے ہوئے بتایا: "پھر مسز ڈنکن نے مجھ سے پوچھا، کیا مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا میں اُن کی مدد کر سکوں گی؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا انحصار کام کی نوعیت پر ہے، تب مسز ڈنکن نے اپنا مدّعا بیان کیا کہ وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جو اولگا کو ٹھکانے لگا دے، چنانچہ میں نے مسز ڈنکن کو مشورہ دیا کہ وہ پولیس کی امداد حاصل کریں، لیکن مسز ڈنکن نے بتایا کہ ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں جس کی بنیاد پر پولیس سے مدد مانگی جائے۔"

اگلے دن مسز ڈنکن نے مسز ڈیانز کو ٹیلی فون کیا اور پوچھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جانتی ہیں جو یہ کام کرے۔ مسز ڈیانز نے جواب دیا کہ وہ ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتیں۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ اگر اُن کی نظر میں ایسا کوئی شخص آئے تو وہ مسز ڈنکن کو مطلع کر دیں اور مسز ڈیانز نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی موزوں شخص ملا تو مسز ڈنکن سے اُس کی ملاقات کا انتظام کر دیں گی۔

مسز ڈیانز اور مسز ڈنکن کے درمیان اس گفتگو کے بعد پھر کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی۔ البتہ ایک مہینے بعد مسز ڈنکن نے مسز ڈیانز کو پھر ٹیلی فون کیا:

"ربیکی، کیا تمھیں وہ بات یاد ہے جو ہمارے درمیان ہوئی تھی؟"

"ہاں، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اچھا تو پھر وہ بات بھول جاؤ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہ پڑے گی۔ وہ کام بس آج ہی ہو گا یا کبھی نہ ہو گا۔"

مسز ڈیاز اس بات کو واقعی "بھول" گئیں اور اُس وقت تک چپ سادھے رکھی جب تک عدالت نے انھیں گواہی کے لیے طلب نہ کر لیا۔ اس مہینے کے دوران میں مسز ڈنکن نے جانے کتنے حضرات اور خواتین سے اس منصوبے پر بات کی ہو گی اور کتنے ہی افراد کو ایک عورت کے قتل کے لیے کرائے پر حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی، لیکن ان سب افراد میں اکثریت مسز ڈیاز جیسے "شرفا" کی تھی جنہوں نے ایک گناہ عورت کے خون میں ہاتھ رنگنا پسند نہ کیا اور نہ یہ پسند کیا کہ وہ پولیس کو اطلاع دے کر اس "جھگڑے" میں ملوث ہوں، البتہ مسز شارٹ کی مہم پسندی ہر پسند اور ناپسند پر غالب آئی۔ انھوں نے عدالت کو بتایا:

"مجھے یقین تھا کہ مسز ڈنکن، اولگا کو ضرور ختم کرا دیں گی، میں اس تجویز کے حق میں نہ تھی، لیکن مسز ڈنکن سے بحث کرنا لاحاصل تھا۔"

مسز ڈنکن کی بارعب شخصیت سے مسحور ہونے والی یہ خاتون ان مجرمانہ سرگرمیوں میں ہر اہم موقع اور مقام پر مسز ڈنکن کی شریکِ کار تھی۔ بارہ نومبر کو یہ

دونوں خواتین اپنی مہم کے سلسلے میں سانٹا باربرا کے پس ماندہ علاقے کے ایک گھٹیا سے ریسٹورنٹ، ٹراپیکل کیفے میں پہنچیں۔ کیفے کی پتلی دبلی مدقوق مالکہ مسز ایسپرنزا ایسکیول سے وہ پہلے کبھی نہ ملی تھیں، لیکن مسز ڈنکن اس کے بارے میں ضروری معلومات پہلے ہی حاصل کر چکی تھیں۔ مثلاً انھیں معلوم تھا کہ مسز ایسکیول میکسکو سے غیر قانونی طور پر یہاں آ کر آباد ہوئی تھی اور ہمیشہ شہر سے نکالے جانے کے خوف میں مبتلا رہتی تھی۔ مسز ڈنکن کو یہ بھی معلوم تھا کہ ستمبر کے مہینے میں پولیس نے مسز ایسکیول اور اس کے شوہر ہارسیانو کو چوری شدہ سامان خریدنے کے جرم میں گرفتار کر لیا تھا۔

فرینک نے ان دونوں کے مقدمے کی پیروی کی تھی جس میں ماریسانو کو سزا ہو گئی
لیکن مسز ایسکیول کو بری کر دیا گیا تھا۔

مسز ڈنکن نے فرینک کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا اور جلد ہی مسز
ایسکیول سے یوں گھل مل کر گپ لگانی شروع کر دی جیسے برسوں کی ملاقات ہو۔
پہلی ہی ملاقات میں مسز ڈنکن نے اپنی اس نئی سہیلی کو اپنے مصائب بھی
بتا دیے: "فرینک کی بیوی اولگا مجھے مسلسل ہراساں کر رہی ہے۔ حال ہی
میں اُس نے مجھ سے پھر ایک ہزار ڈالر کا مطالبہ کیا ہے اور دھمکی دی ہے کہ اگر
یہ رقم فوری طور پر ادا نہ کی گئی تو وہ میرے چہرے پر تیزاب پھینک دے گی۔"

مسز ایسکیول نے عدالت کو بتایا کہ مسز ڈنکن نے اس کے بعد اُس
سے درخواست کی کہ اُنھیں ایسے شخص کا پتہ بتایا جائے جو اولگا کو قتل کرنے
میں اُن کی مدد کر سکے۔ مسز ایسکیول کا شوہر جیل میں تھا اور سزا کے خلاف
اپیل کی پیروی کے لیے اُسے فرینک کی ضرورت تھی، اس لیے مسز ایسکیول
نے مسز ڈنکن سے فوراً وعدہ کر لیا کہ وہ دو ایسے لڑکوں سے اُنھیں متعارف
کرا دے گی جو یہ کام کر سکتے ہیں۔

یہ دونوں لڑکے لوئیس مویا (عمر ۲۱ سال)، اور گس بالڈوناڈو (عمر ۲۶ سال)
تھے۔ دونوں بے روزگار تھے اور اپنا بیشتر وقت کیفے ٹراپیکل میں گزارتے
تھے۔ دونوں دن میں ایک آدھ بار کیفے میں برتن وغیرہ دھو دیا کرتے تھے
جس کے عوض کیفے کی مالکہ کھانا کھلا دیا کرتی تھی۔ بالڈوناڈو کے رہنے کا بھی
کوئی ٹھکانا نہ تھا اور وہ رات بھی کیفے میں گزارتا تھا۔ مسز ایسکیول نے
دونوں لڑکوں کو پہلے ہی مسز ڈنکن سے غائبانہ متعارف کرا دیا اور اُن کے
وہاں آنے کا مقصد بھی بتا دیا تھا، چنانچہ اگلے دن جب مسز ڈنکن اور
شارٹ وعدے کے مطابق کیفے پہنچیں تو دونوں لڑکے اُن کے منتظر تھے
مسز ایسکیول دونوں لڑکوں کو مسز ڈنکن کے سامنے پیش کرنے کا ...

واپس چلی گئی اور مسز شارٹ ایک الگ میز پر جا بیٹھیں۔

مسز ڈنکن دونوں لڑکوں کے ساتھ کاؤنٹر کے قریب ہی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ مسز ایسکیول کے کان میں بھی کچھ جملے پڑے اور اس نے عدالت میں بتایا کہ معاوضے کے بارے میں بات کرتے ہوئے مسز ڈنکن نے اُن لڑکوں سے کہا تھا کہ تین ہزار ڈالر کافی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے تیزاب، خواب آور گولیوں اور کار کی بات بھی کی تھی۔ مسز ڈنکن نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ خود اس مہم میں شریک ہو جائیں گی۔

لوئیس مویا نے اس گفت و شنید کے بارے میں عدالت کو بتایا "شروع میں تو ہم بس ایک دوسرے کو ٹٹولتے رہے تاکہ صورتِ حال کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ میں نے مسز ڈنکن سے اُن کے بیٹے فرینک کے بارے میں چند سوالات کیے۔ سانٹا باربرا کے ایک لائق وکیل کی حیثیت سے اُس کا نام میں نے پہلے بھی سُنا تھا۔ مسز ڈنکن نے مجھے بتایا کہ اولگا، فرینک کو بلیک میل کر رہی ہے۔ اُس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اگلے جمعے تک ہم نے اُسے ایک ہزار ڈالر نہ دیے تو وہ فرینک کی پیشہ ورانہ مہارت کو تباہ کر دے گی، اس لیے میں کسی ایسے شخص کی مدد چاہتی ہوں جو اس لڑکی اولگا، کو ٹھکانے لگا دے۔"

اس کے بعد مویا، بالڈونا ڈو اور مسز ڈنکن کے درمیان معاوضے کی بات ہوئی۔ مویا نے عدالت کو بتایا: "شروع میں مسز ڈنکن صرف تین ہزار ڈالر ادا کرنا چاہتی تھیں، لیکن میں نے معاوضے میں اضافے کا مطالبہ کیا اور وہ چھ ہزار ڈالر ادا کرنے پر راضی ہو گئیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ تین ہزار ڈالر پیشگی ادا کر دیں گی اور باقی تین ہزار اُس وقت ادا کریں گی جب اولگا کی لاش ٹھکانے لگا دی جائے گی۔ میں نے مسز ڈنکن کو بتایا کہ مجھے اور بالڈ ونا ڈو کو اس منصوبے کی تکمیل کے لیے کار، ہتھیار اور دستانوں

کی ضرورت پڑے گی اور یہ چیزیں حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس رقم
نہیں تھی، چنانچہ ہم نے مسز ڈنکن سے درخواست کی کہ وہ فوری طور پر کچھ
رقم ہمارے حوالے کر دیں۔"

مسز ڈنکن تھوڑی سی رقم اُسی وقت ادا کرنے پر راضی ہو گئیں اور اس
کے بعد تینوں نے موزوں ترین طریقۂ قتل انتخاب کرنے کے لیے بڑی دیر
تک گفت گو کی۔ مویا نے عدالت کو بتایا "ہم نے کئی تجاویز پر آپس میں غور
کیا۔ مسز ڈنکن نے ہمیں بتایا کہ اُن کے پاس خواب آور گولیاں، کچھ تیزاب
اور رسی موجود ہے جسے اس کام کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ خواب آ
گولیوں کی ایک بڑی مقدار سے ہم اولگا کو بے ہوش کر سکتے تھے۔ اگر ہم
اُسے گھر کے قریب، راہ چلتے سے اغوا کرتے یا گھر سے اُٹھا کر لے جاتے تو
رسی سے اُس کے ہاتھ پاؤں باندھے جا سکتے تھے اور تیزاب سے اولگا کا
چہرے اور انگلیوں کو مسخ کرنا مقصود تھا تاکہ لاش کو پہچانا نہ جا سکے۔"

مسز ڈنکن نے مویا اور بالڈوناڈو کو ایک ماہر سراغ رساں کی مانند
منصوبے کی تمام تفصیلات سمجھائیں، اولگا کے گھر سے باہر جانے اور آنے
کے اوقات بتائے تاکہ حملے کے لیے موزوں ترین وقت منتخب کیا جا سکے اور
دونوں لڑکوں کو یہ بھی بتایا کہ اولگا خاصی صحت مند لڑکی ہے اور [illegible]
ڈٹ کر مقابلہ کر سکتی ہے۔

آخر ہم تینوں ایک منصوبے پر رضا مند ہو گئے۔ مویا نے عدالت کو
بتایا: "منصوبہ یہ تھا کہ اگر اولگا اپنے گھر کے قریب سڑک کے کنارے مل جائے
اور وہاں کوئی اور موجود نہ ہو تو اُسے گھسیٹ کر کار میں ڈال دیا جائے
اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس کے گھر پہنچا جائے، جب وہ دروازہ کھولے
تو اُسے دھکیل کر گھر میں داخل ہوا جائے۔ اس کے بعد اُس کے ہاتھ پاؤں
باندھ دیے جائیں اور اُسے کار میں ڈال کر سان ڈیاگو پہنچا جائے جہاں

نے سرحد پار کر کے تجوانا چلا جائے اور وہاں اولگا کی لاش کو کہیں غائب کر دیا جائے۔"

موریا نے مسز ڈنکن کو بتایا کہ وہ پستول آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ مسز ڈنکن نے اس منصوبے کے لیے اپنی کار کی پیش کش بھی کی، لیکن موریا نے یہ تجویز اس خطرے کی بنا پر رد کر دی کہ تفتیش کے دوران مسز ڈنکن پر شبہ کیا جا سکتا تھا اور اُن کی کار کا استعمال پولیس کو باقاعدہ ثبوت فراہم کر دیتا۔ موریا اس سلسلے میں بہت محتاط تھا کہ بعد میں پولیس کو مسز ڈنکن اور اصل قاتل کے مابین کسی قسم کے تعلق پر شبہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ موریا کو اولگا فرینک سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی اور پولیس بغیر کسی وجہ کے اُس پر شبہ بھی نہ کر سکتی تھی۔ خود مسز ڈنکن بھی قانون کی آنکھوں میں اسی طرح دھول جھونک سکتی تھیں، چنانچہ وہ موریا کی تمام تجاویز مان گئیں اور کیفے سے یہ کہہ کر رخصت ہوئیں کہ وہ بنک سے رقم نکلوانے جا رہی ہیں، لیکن حقیقت یہ تھی کہ بنک میں ان کی کوئی رقم نہ تھی۔ وہ کیفے سے اُٹھ کر سیدھی ایک ساہوکار کی دکان پر پہنچیں اور اپنی دو انگوٹھیاں گروی رکھ کر ایک سو پچھتّر ڈالر لے آئیں۔ مسز ڈنکن نے یہ رقم کیفے ڑاپیکل کے باورچی خانے میں موریا کے حوالے کی۔ اس ادائی کے بعد دونوں لڑکوں نے مسز ڈنکن پر پوری طرح بھروسا کرنا شروع کر دیا اور مزید رقم کی فوری ادائی کا مطالبہ کیے بغیر کام کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس موقعے پر مسز ڈنکن اور موریا کے درمیان یہ بھی طے پایا کہ اگر آئندہ اس سلسلے میں ٹیلی فون پر بات کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اپنا اصل نام استعمال کرنے کے بجائے صرف ایک نام "ڈروتھی" استعمال کیا جائے۔

مسز ڈنکن کے ساتھ اس سودے بازی اور منصوبہ بندی کے دوران بالڈوناڈو ایک خاموش سامع کے طور پر شریک رہا اور تمام معاملات موریا نے طے کیے، تاہم وہ ایک وفادار اور فرمانبردار ساتھی کی طرح موریا کی ہر بات سے متفق تھا۔

مسز ڈنکن کو اس بار یقین تھا کہ اولگا کو قتل کرنے کے لیے جن دو لڑکوں کا انتخاب کیا ہے، وہ یہ کام ضرور کر گزریں گے۔ چنانچہ کیفے ڑاپیکل سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے مسز شارٹ سے کہا، "مجھے پوری اُمید ہے کہ وہ یہ کام کر دیں گے۔" اس موقعے پر مسز شارٹ کے اپنے احساسات کیا تھے؟ انھیں اولگا سے کوئی عداوت نہ تھی، بلکہ وہ جانتی تھیں کہ اولگا بے قصور ہے، پھر وہ خاموش کیوں رہیں؟ یہ ایک معمہ ہے جسے وکیل استغاثہ نے بھی حل کرنے کی کوشش کی اور ماہرِ نفسیات نے بھی۔ وکیل استغاثہ مسٹر گستافسن نے مسز شارٹ سے اس طرح سوالات کیے:

سوال: اگر تم چاہتیں تو اولگا کو قتل ہونے سے یقیناً بچا سکتی تھیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اگر تم یہ محسوس کرتیں کہ پولیس کو اس منصوبے سے آگاہ کر کے اولگا کی جان بچائی جا سکتی تھی تو تم پولیس اسٹیشن ضرور جاتیں؟

جواب: نہیں جناب۔

سوال: نہیں؟ تو کیا تم یہ نہیں چاہتی تھیں کہ پولیس کو اس بات کا علم ہو؟

جواب: یہ بات نہیں۔ اصل میں مَیں ڈر گئی تھی۔ مَیں اس تمام عرصے میں سخت خوفزدہ رہی۔

سوال: کیا تم پولیس سے خوف زدہ تھیں؟

جواب: نہیں، مَیں اصل میں مسز ڈنکن کی باتوں سے خوفزدہ تھی اور اُن سے خود بات نہیں کر سکتی تھی۔

سوال: تو کیا مسز ڈنکن نے کبھی تمہیں کوئی دھمکی دی؟

جواب: نہیں کبھی نہیں؟

سوال: تم اُس کے ساتھ ہر جگہ جاتی رہیں۔

جواب: جی ہاں۔

سوال: اور اس دوران مسز ڈنکن سے تمہارے تعلقات دوستانہ تھے؟

جواب: جی ہاں، تقریباً دوستانہ۔

سوال: کیا تمہیں پولیس پر اعتماد تھا؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اس کے باوجود تم نے پولیس کو کیفے ٹراپیکل میں مسز ڈنکن اور مسز الیسکیول کی گفتگو سے آگاہ نہیں کیا؟

جواب: نہیں۔

سوال: تم نے قانون کو حرکت میں لانے کے لیے کسی اور شخص کو بھی اطلاع نہیں دی؟

جواب: نہیں جناب۔

سوال: اور اس کے بعد تم اگلے دن پھر مسز ڈنکن کے ساتھ کیفے ٹراپیکل گئیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: مسز ڈنکن نے تمہیں ساتھ چلنے پر مجبور تو نہیں کیا تھا؟

جواب: بالکل نہیں۔

سوال: اُس نے تم سے ساتھ چلنے کے لیے محض کہا تھا؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اگر تم جانا نہ چاہتیں تو انکار بھی کر سکتی تھیں؟

جواب: نہیں، مسز ڈنکن کی کسی بات پر "نہیں" کہنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔

عدالت کی جانب سے مقرر کیے ہوئے ماہر نفسیات نے مسز شارٹ سے انٹرویو کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسز ڈنکن اپنے ملنے جلنے والوں پر یہ تاثر

بڑی کامیابی سے قائم کرتی تھیں کہ اگر کوئی اُن کی مخالفت کی جرأت کرے گا تو اُسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

"اس کے علاوہ جدید معاشرے اور ہمارے ماحول پہ بے یقینی اور شکوک وشبہات کی فضا حاوی ہے۔ ایسے ماحول میں جب کوئی شخص مسز ڈنکن کی مانند تیقن اور فیصلہ کن انداز میں سوچتا اور عمل کرتا ہے تو عام آدمی کو اُس کی شخصیت میں زبردست کشش محسوس ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کی قُربت میں ایک قسم کے ذہنی سکون اور ذاتی تحفظ کا احساس ملتا ہے ہٹلر کی شخصیت میں بھی یہی فیصلہ کن انداز تھا جس کے سبب وہ کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کرتا تھا۔"

بہر کیف، ماہرین نفسیات وقانون اس حادثے سے خواہ کچھ ہی نتائج اخذ کریں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ امریکہ جیسے "متمدن" ملک کے ایک خوشحال اور بارونق شہر میں ایک بے گناہ عورت کے قتل سے پہلے درجنوں خواتین وحضرات کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ اولگا فرینک کو قتل کیا جائے گا، لیکن کسی ایک نے بھی آگے بڑھ کر قاتل کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی۔ امریکی مصنف پیڑو یڈن نے اپنی کتاب میں صرف یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ آخر وہ لوگ کس مٹی کے بنے ہوتے ہیں جو کسی بھی اجنبی کو محض کچھ رقم کے لالچ میں قتل کر دیتے ہیں، لیکن کرائے کے قاتلوں کی نفسیات سے قطع نظر صرف اولگا فرینک کے قتل کے پس منظر میں جو کردار اور حالات عدالت کے ذریعے منظرِ عام پر آئے، وہ بجائے خود اتنے بھیانک اور شرمناک ہیں کہ کرائے کے قاتلوں کا وجود ان کے سامنے ہیچ ہے۔ ان میں بیشتر کردار وہ ہیں جو خود اس لیے اولگا کو قتل نہ کر سکے کہ اُن میں "ہمت" نہ تھی، ورنہ اخلاقی طور پر انہوں نے بھی معاوضے پر انسانی جان کے قتل کو محض "کاروبار" ہی سمجھا تھا اور ایک کاروباری اُلجھن ہی کی وجہ سے کاروبار میں شریک یہ سب خواتین اور حضرات دنیا کی نظروں میں برہنہ ہوئے۔

مسز ڈنکن نے اولگا کے قتل کے بعد وعدے کے مطابق قاتلوں کو معاوضے کی ادائی نہ کی۔ یہ بات "کاروباری دیانت" کے خلاف تھی۔ قاتل معاوضے کے لیے اصرار کر رہے تھے اور مسز ڈنکن پولیس کو جل دینے کے لیے نئے سے نیا ہتھکنڈا استعمال کر رہی تھیں، لیکن تابکے۔

۱۹۵۸ اش، نومبر کی سترہ تاریخ اور پیر کا دن تھا جب طے شدہ پروگرام کے مطابق رات گیارہ بجے گس بالڈوناڈو اپنے ساتھی مویا کے مکان پر پہنچا۔ دونوں نے اپنے سازوسامان کا جائزہ لیا۔ پچیس ڈالر کرایہ دے کر انھوں نے ایک دوست سے ہلکے کریم رنگ کی شیورلٹ کار حاصل کر لی تھی۔ مویا نے ایک اور دوست کا پستول یہ کہہ کر مانگ لیا تھا کہ وہ لاس اینجلز میں راہ زنی کے لیے جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں نے کچھ کارتوس، اولگا کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لیے پلاسٹک کی ڈوری اور چمڑے کے سیاہ دستانے بھی خرید لیے تھے۔

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر گارڈن اسٹریٹ میں ایک جدید طرز کے دو منزلہ بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ جب مویا سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل کے دروازے پر دستک دے رہا تھا تو اس وقت گھڑی میں ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ اُسی دروازے سے بیس منٹ پہلے کاٹج ہسپتال کی دو نرسیں نکل کر جا چکی تھیں۔ یہ دونوں نرسیں اولگا کا جی بہلانے کے لیے اتنی دیر وہاں رُکی رہی تھیں۔ مویا نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد اولگا نے دروازہ کھولا۔ مویا نے دیکھا کہ وہ پانچ فیٹ دو انچ قامت اور خاصے تندرست جسم کی مالک تھی۔

مویا نے اُس سے کہا "میں فرینک کا دوست ہوں اور فرینک اس وقت نیچے میری کار میں موجود ہے۔ اصل میں آج اُس نے کچھ زیادہ پی لی ہے۔ اُس کی جیب میں خاصی رقم ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اُسے حفاظت سے اپنے ساتھ ہی یہاں لے آؤں۔ اب آپ ذرا میرے ساتھ نیچے چلیے تاکہ ہم

دونوں اُسے سہارا دے کر اُوپر لے آئیں"۔

اولگا اپنے شوہر کو لینے کے لیے فوراً سیڑھیاں اُتر کر کار تک پہنچ گئی۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بالڈوناڈو اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اُس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اولگا یہی سمجھی کہ وہ فرینک ہوگا، چنانچہ اُس نے لپک کر کار کا دروازہ کھولا۔ اس موقعے پر مویا نے عقب سے اُس کے سر پر پستول کے بھاری دستے کی ضرب لگائی اور اندر سے بالڈوناڈو نے اولگا کو پکڑ کر کار میں گھسیٹ لیا۔

اولگا بے ہوش نہیں ہوئی تھی اور مسلسل ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ بالڈوناڈو نے اُس کے ہاتھ پاؤں پکڑ رکھے تھے اور منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ مویا کار چلا رہا تھا اور سڑک بالکل سنسان تھی، ایک چوراہے کی سُرخ بتی پر جب کار کو روکنا پڑا تو بالڈوناڈو نے مویا سے کہا "اسے قابو میں رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔" چنانچہ مویا نے پلٹ کر پستول کے دستے سے اولگا کے سر پر اتنی ضربیں لگائیں کہ پستول ٹوٹ گیا اور اولگا بے ہوش ہوگئی۔ اب بالڈوناڈو نے پلاسٹک کی ڈوری نکالی اور اولگا کے ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دیے۔ چند منٹ سفر کرنے کے بعد دونوں لڑکوں نے محسوس کیا کہ کار میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اس حالت میں میکسکو کی سرحد تک پہنچنا مشکل تھا۔ چناں چہ بالڈوناڈو نے تجویز کیا کہ اوجائی کے سنسان پہاڑی علاقے میں پہنچ کر اولگا کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

سانٹا باربرا سے جنوب میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر خشک پہاڑی علاقے میں اُنھیں ایک جگہ پسند آئی، لیکن اولگا ابھی تک زندہ تھی اور کوئی بات بھی منصوبے کے مطابق نہیں ہو رہی تھی۔ مویا نے اولگا کو گولی مارنے کا ارادہ کیا، لیکن پستول کا دستہ اس طرح ٹوٹا تھا کہ اب اُس سے فائر کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ اُن کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی جس کے ذریعے زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جا سکتا۔ وقت تیزی سے

گزر رہا تھا اور ہر لمحہ یہ دھڑکا تھا کہ سڑک پر جاتی ہوئی کسی کار کی روشنی اُن پر نہ پڑ جائے، چنانچہ موریا نے پریشان ہو کر برہنہ ہاتھوں سے مٹی کھودنی شروع کر دی۔ اِدھر بالڈونا ڈو نیم جاں اولگا کا گلا گھونٹنے لگا۔ کچھ دیر بعد بالڈونا ڈو مٹی کھودنے پہنچا اور موریا نے بالڈونا ڈو کی جگہ لے لی۔ آخر قبر تیار ہو گئی اور اولگا کی نبضیں بھی ساکت ہو گئیں۔

اولگا کو دفن کرنے کے بعد جب مویا اور بالڈونا ڈو آدھی رات کے بعد کیفے ٹراپیکل پہنچے تو مسز ایسکیول کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے دونوں لڑکوں کے ہاتھ اور کپڑے خون میں لت پت دیکھے، لیکن کچھ کہے بغیر کروٹ بدل کر سو گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ لڑکے اپنا کام کر آئے ہیں، چنانچہ اس "اطمینان" کے بعد بلاوجہ جاگتے رہنا بے معنی تھا۔

مسز ڈنکن نے اپنی دھمکی کو سچ کر دکھایا تھا، لیکن اُن کے پاس قاتلوں کو ادا کرنے کے لیے کوئی رقم نہ تھی۔ مویا کے بار بار تقاضے پر دو تین قسطوں میں وہ صرف ۲۳۵ ڈالر ادا کر پائیں۔

اس دَوران مسز اولگا فرنیک کی گمشدگی پولیس کے لیے معمہ بنی ہوئی تھی۔ آخرکار مویا کے تقاضوں اور مسز ڈنکن کی وعدہ خلافیوں نے اصل صورتحال سے پردہ اُٹھایا۔ اب کوئی بات بھی معمہ یا راز نہیں تھی۔ ایک ایک کر کے بیسیوں گھناؤنے کردار عدالت کے کٹہرے میں پہنچے۔

عدالت نے مقدمے میں ماخوذ یا ملوّث ہر کردار کی زندگی کے حالات کی چھان بین شروع کی تو اولگا فرنیک کی گزشتہ زندگی کے بارے میں بھی پوچھ گچھ ہوئی، لیکن تمام تر تفتیش کے بعد صرف اتنا معلوم ہوا کہ اولگا سے زندگی میں واحد لغزش یہی سرزد ہوئی تھی کہ اُس نے مسز ڈنکن جیسی ڈائن کو اپنی ساس بنایا۔